مشاہیر علمائے فرنگی محل اور ان کی علمی خدمات

خالد رشید نظام الدین محمد فرنگی محلی
نائب امام عیدگاہ
مہتمم: دار العلوم فرنگی محل، لکھنؤ









ناشر
...ی فرنگی محلی فقہ اکیڈمی
...آف انڈیا فرنگی محل، لکھنؤ

مشاہیر

علمائے فرنگی محل

اوران کی علمی خدمات

خالد رشید نظام الدین محمد فرنگی محلی
نائب امام عیدگاہ، لکھنؤ



ناشر:
اسلامک سنٹر آف انڈیا، فرنگی محل، لکھنؤ
Tel: +91 522 2265552, 2252700, Mobile: +91 94150 23970
www.islamiccentreofindia.com, www.farangimahal.com
E-mail: imamkrasheed@gmail.com

پہلا ایڈیشن

نام کتاب	:	مشاہیر علمائے فرنگی محل اور ان کی علمی خدمات
نام مصنف	:	مولانا خالد رشید نظام الدین محمد فرنگی محلی
صفحات	:	۱۲۷
سنہ اشاعت	:	مئی ۲۰۱۱ء
تعداد اشاعت	:	۱۰۰۰
کمپوزنگ وطباعت	:	(حشمت علی) ڈالی گنج لکھنؤ
قیمت	:	روپے

ملنے کے پتے :

مکتبہ فرنگی محل، اندرون فرنگی محل، لکھنؤ

اسلامک سنٹر آف انڈیا، عیدگاہ، عیش باغ، لکھنؤ

ناشر :

اسلامک سنٹر آف انڈیا

فرنگی محل، لکھنؤ

فون نمبر: 0522-2252700، فیکس نمبر: 0522-4062807، موبائل نمبر: 9415023970

ای میل: imamkrasheed@gmail.com

ویب سائٹ: www.islamiccentreofindia.org

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی
سیدالمرسلین وعلی آلہٖ واصحابہ اجمعین، امابعد!

حضرت استاذ الہند علامہ نظام الدین محمد فرنگی محلی بانی درس نظامی کا خاندان فرنگی محل وہ عظیم خاندان ہے جس کے مایہ ناز فرزندوں کے کارنامے اسلامی تاریخ کے روشن اوراق ہیں۔ ان کی دینی، علمی، تعلیمی، تدریسی، ملی اور قومی خدمات کا تذکرہ تمام قابل ذکر مؤرخین نے کیا ہے۔

ایک مدت سے یہ ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ مشاہیر علمائے فرنگی محل کا مختصر مگر جامع تذکرہ شایع کیا جائے۔

رب کریم کا شکر ہے کہ عزیزی مولوی خالد رشید نظام الدین محمد فرنگی محلی زادہ اللہ علماً وتوفیقاً نے اس سمت میں قدم اٹھایا اور ''مشاہیر علمائے فرنگی محل'' کے نام سے یہ کتاب تیار کردی، انہوں نے اس کتاب میں مختصر مستند معلومات جمع کردی ہیں۔ ان کو اس سلسلے میں تذکرہ علمائے فرنگی محل، از مفتی عنایت اللہ فرنگی محلی۔ بانی درس نظامی، از مفتی محمد رضا انصاریؒ، مقالات شبلی جلد سوم از علامہ شبلی نعمانیؒ سابق معتمد تعلیم ندوۃ العلماء، نزہۃ الخواطر (عربی) از مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ اور انگریزی میں The Ulamae Farangi Mahal by Fancis Robinson (London) سے بڑی مدد ملی۔

عزیزی خالد رشید سلمہٗ کو رب کریم نے ملی مسائل کے حل کے لیے ''دل دردمند اور زبان ہوش مند'' سے نوازا ہے۔ یہ خودنمائی اور خودستائی نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے کہ عزیز موصوف کے سوز دروں، ان کی محنت اور اخلاص کو رب کریم نے قبول فرمایا۔ اس کا واضح ثبوت لکھنؤ کی تاریخ میں پہلی بار مسلمانان ہند کے متحدہ ومتفقہ ادارے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا وہ عظیم الشان جلسہ عام ہے جس میں شرکت کرنے والے فرزندان توحید کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق آٹھ لاکھ سے متجاوز تھی وہ ۲۱/ مارچ ۲۰۱۰ء کو عیدگاہ، عیش باغ کی سرزمین پر نہایت تزک واحتشام سے ہوا۔ مزید برآں عزیز موصوف نے حکومت اتر پردیش کو متوجہ کر کے کئی ملی ضرورتوں اور مسلمانوں کے مسائل کو حل کرایا ہے مثلاً: عربی فارسی یونی ورسٹی کا قیام، الگ یونانی ڈائرکٹریٹ کا قیام، وقف بورڈ اور اردو اکادمی کو دی جانے والی گرانٹ میں اضافہ کرانا اور بے گناہ شہید نوجوانوں کو معاوضہ دلوانا وغیرہ اہم ہیں۔

اسلامک سنٹر آف انڈیا فرنگی محل کے تحت قائم علامہ عبدالحی فرنگی محلی فقہ اکیڈمی جس کے قیام کے مقاصد میں ہے کہ آبروئے دین وعلم علمائے فرنگی محل کے علمی ورثے کی حفاظت اور اس کی اشاعت کی جائے۔ چناں چہ اکیڈمی کی جانب سے گزشتہ ''فتاویٰ عبدالحی''، ''مجموعۃ الخطب''، ''قدوری'' اور ''اعلام فرنگی محل بما فی نزہۃ الخواطر'' شایع ہوچکی ہیں، اب یہ کتاب شایع ہورہی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین

ابوالطیب احمد میاں فرنگی محلی
صدر اسلامک سنٹر آف انڈیا
ناظم دارالعلوم فرنگی محل
امام عیدگاہ لکھنؤ

فرنگی محل لکھنؤ
۱۴۳۲/۶/۱۳ھ
۲۰۱۱/۵/۱۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اول

تاریخ

بعض مورخین کے بہ قول حضرت استاذ الہند علامہ نظام الدین محمد فرنگی محلی بانی درس نظامی کا خانوادہ دنیائے اسلام کا وہ خانوادہ ہے جہاں ۱۴ سو برس سے بغیر کسی فصل اور انقطاع کے عالم اور دین حنیف کے پاسباں پیدا ہوتے چلے آرہے ہیں۔ اور یہ سلسلہ بفضلہٖ آج بھی جاری ہے۔

آبروئے دین وعلم علمائے فرنگی محل کا سلسلہ نسب مدینہ منورہ سے جا کر ملتا ہے۔ وہاں سے اس بزرگ خاندان کے افراد تبلیغ دین اشاعت علوم اسلامیہ کی خاطر ہرات کے راستے بلاد ہند میں آئے اور قصبہ سہالی ضلع بارہ بنکی میں طرح اقامت ڈالی۔

علامہ قطب الدین کو کچھ شر پسند عناصر نے شہید کر دیا۔ اس وقت کے مغلیہ شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیرؒ علامہ موصوف کے علمی تبحر سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ ان کو علامہ کی شہادت سے بہت صدمہ ہوا اور انہوں نے ۱۶۹۵ء میں یہ حکم جاری کیا کہ علامہ شہید کے اہل خاندان کو لکھنؤ میں رہنے کے لیے ان کی حفاظت کی خاطر ایک حویلی دی جائے جو فرنگی محل کے نام سے چار دانگ عالم میں مشہور ہوئی۔

اس خاندان کی علمی عظمت کا اس بات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہاں کے علمائے کرام نے مختلف اسلامی علوم وفنون پر پانچ سو سے زائد کتابیں تحریر کیں۔

ان بزرگ علمائے کرام کا تصنیفی و تحریری سرمایہ اسلام کے کتب خانے کی شان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تین صدیاں گزر جانے کے بعد آج بھی ان کے علمی ماثر پر تحقیق و تخریج نہ صرف برصغیر ہندوپاک میں بلکہ عالم عرب میں متعدد یونی ورسٹیوں اور دانش گاہوں میں جاری ہے۔

علامہ نظام الدین محمد فرنگی محلی نے اسلامی علوم کی حفاظت و اشاعت کی خاطر مدارس اسلامیہ کے لیے ایک نصاب درس ترتیب دیا جس کا نام درس نظامی رکھا۔ اس نصاب کو دنیائے اسلام کے تمام مکاتب فکر کے مدارس نے قبول کیا اور تین سو برس سے زائد مدت گزر جانے کے بعد آج بھی برصغیر ہندوپاک، بنگلہ دیش اور عالم عرب کے متعدد مدارس میں داخل ہے۔

علامہ شبلی کے بہ قول: درس نظامی ہندوستان کی علمی تاریخ اور علمی زبان کا سب سے زیادہ نمایاں لفظ ہے۔ آج کلکتہ سے پشاور تک جس قدر تعلیمی سلسلے پھیلے ہوئے ہیں سب اسی درس کی شاخیں ہیں۔ کوئی عالم عالم نہیں مانا جا سکتا جب تک ثابت نہ ہو کہ اس نے اسی طریقہ درس کے موافق تعلیم حاصل کی ہے۔

علامہ نظام الدین کی علمی شہرت اتنی ہوئی کہ ہندوستان اور عرب ممالک سے بھی طلبہ حصول تعلیم کے لیے آپ کے پاس کشاں کشاں آتے تھے۔ ایک ایک وقت میں سات سو طلبہ تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اسی وجہ سے علامہ موصوف 'استاذ الہند' کے نام سے مشہور ہوئے۔ اور فرنگی محل ہندوستان کا پہلا دار العلوم قرار پایا۔ اس کے متعلق علامہ سید سلیمان ندوی نے تحریر فرمایا کہ: ''ہندوستان کا سب سے بڑا دار العلوم لکھنؤ کا فرنگی محل تھا جو درس نظامی کا بانی تھا۔ اس کی اہمیت علامہ شبلی کے الفاظ میں: آج جہاں جہاں علوم عربیہ کا نام ونشاں باقی ہے اسی خاندان کا پرتو فیض ہے ہندوستان کے کسی گوشہ میں جو شخص تحصیل علم کا احرام باندھتا ہے اس کا رخ فرنگی محل کی طرف ہوتا ہے۔

اسی خانوادہ میں دوسری سب سے مشہور شخصیت علامہ عبد العلی کی ہوئی جن کی جلالت علمی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ان کی ایک کتاب رسائل الارکان جب شاہ عبد العزیز دہلوی کے پاس پہنچی تو ان کی زبان حقیقت ترجمان سے علامہ موصوف کے لیے

''بحر العلوم'' کا لفظ استعمال ہوا۔ جب سے بحر العلوم کا خطاب علامہ موصوف کے اصل نام سے زیادہ مشہور ہوگیا۔ علامہ نے متعدد کتابیں تحریر فرمائیں جن کا فیض آج بھی جاری ہے۔

اس بزرگ خاندان کے گل سر سبد علامہ ابوالحسنات محمد عبدالحی تھے۔ جن کے تعمق علمی اور اسلامی علوم وفنون پر ان کی زبردست دسترس نے علمائے کرام کی زبان سے فخر المتاخرین کا لقب دلوایا۔ علامہ موصوف نے متعدد موضوعات پر ۱۲۰ کتابیں تحریر کیں۔ جن میں سب سے مشہور یہ ہوئیں فتاویٰ عبدالحی -۳ جلدیں، التعلیق الممجد - یہ موٗطا کی لاجواب شرح ہے۔ السعایة- شرح وقایہ کی دو جلدوں میں مبسوط شرح ہے۔ حاشیہ شرح وقایہ ،حاشیہ ھدایہ ، ظفر الأمانی ،اقامة الحجة ،الآثار المرفوعة ،الأجوبة الفاضلة، الرفع والتکمیل۔

یہ امر نہایت حیران کن ہے کہ علامہ موصوف اپنی حیات مستعار کی محض ۳۹ بہاریں دیکھ پائے تھے۔

خاندان فرنگی محل کے بقیۃ السلف مولانا قیام الدین محمد عبدالباری تھے جو صرف ۴۸ برس اس عالم رنگ وبو میں رہے لیکن اس مختصر مدت میں انہوں نے متعدد اسلامی موضوعات پر ۱۱۰ سے زائد کتابیں تحریر کیں۔ اسی کے ساتھ مولانا موصوف نے ملی وقومی قیادت کا فریضہ بھی بخوبی انجام دیا۔ خواہ جمعیۃ علماء کی تاسیس ہو یا انجمن خدام کعبہ اور تحریک خلافت ہو یا برطانوی استبداد سے وطن عزیز کو آزاد کرانے کی تحریک ہو۔ اس سلسلے میں مولانا محمد علی جوہر، مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو، سروجنی نائیڈو اور دیگر صف اول کے ملی وقومی قائدین آپ کے پاس مشورے اور حکمت عملی طے کرنے کے لیے آتے تھے۔

الحمدللہ ان علمائے کرام کے مشن کو فروغ دینے کے لیے والد محترم حضرت مولانا مفتی ابوالطیب احمد میاں فرنگی محلی دامت برکاتہم اور آپ کے زیر سایہ برادر محترم مولانا طارق رشید نظام الدین محمد فرنگی محلی سرگرم عمل ہیں۔ رب کریم قبول فرمائے۔ آمین۔

آئندہ صفحات خاندان فرنگی محل کے مشاہیر علمائے کرام اور ان کی علمی خدمات پر مشتمل یہ کتاب پیش ہے۔

مولانا قطب الدین شہیدؒ سہالوی

(ولادت ۱۰۴۰ھ وفات ۱۱۰۳ھ)

مولانا عبدالحلیم بن شیخ عبدالکریم کا نکاح بھلول میں ملک حمزہ شہید عباسی کی دختر سے ہوا جن سے صرف ایک صاحبزادے مولانا قطب الدین شہید اور ایک صاحبزادی تولد ہوئیں۔ یہی مولانا قطب الدین شہید ہیں جو خود استاذ الاساتذہ ہونے کے علاوہ استاذ الہند، بانی درس نظامی اور خاندان فرنگی محل کے مؤسس مولانا نظام الدین محمد کے والد تھے۔
مولانا قطب الدین کی ولادت قصبہ سہالی میں ہی ہوئی اور ایک اندازہ کے مطابق ۱۰۴۰ھ آپ کا سنہ ولادت ہے۔ تذکرہ نویسوں نے تاریخ ولادت کا ذکر نہیں کیا ہے، لیکن مولانا عبدالاعلیٰ فرنگی محلی نے رسالہ قطبیہ (قلمی) میں مولانا قطب شہید کے بارہ میں لکھا ہے:
'ملا قطب شہید اکثر اپنی شہادت کی تمنا کیا کرتے تھے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم والی عمر کی دعا کیا کرتے تھے، دونوں دعائیں قبول ہوئیں'۔ ﴿۱﴾
مولانا قطب کی شہادت ۱۱۰۳ھ میں ہوئی، اس میں سے ۶۳ سال (عمر نبوی) وضع کرنے سے تقریباً ۱۰۴۰ھ برآمد ہوتا ہے۔ مولانا قطب شہید بچپن میں اپنے ننھیال قصبہ گڑھی بھلول میں بھی رہے، یعنی اپنی عمر کے گیارہویں بارہویں برس تک اور اسی عمر میں شاہ حمید ابدال کی خصوصی توجہ سے سرفراز ہوئے۔

'معتبر حضرات کا بیان ہے کہ مولانا قطب الدین شہید بچپن میں اپنے نانا کے یہاں جن کا نام ملک حمزہ تھا (قصبہ گڑھی بھلول ضلع بارہ بنکی) گئے ہوئے تھے۔ ملک حمزہ کو شاہ حمید ابدال کی خدمت میں انتہائی عقیدت اور رسوخ تھا، اسی لئے جب وہ شاہ حمید قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نواسے مولانا قطب الدین کو بھی ہمراہ لے گئے۔ شاہ صاحب نے دور ہی سے مولانا کی شکل دیکھتے ہی (حالانکہ مولانا کا بچپن تھا) انتہائی خوشی اور مسرت کے ساتھ پاس بلایا اور اپنی گود میں لے لیا، بے اندازہ شفقتیں فرمائیں، اس

کے بعد مولانا قطب کے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ اس بچے کے پیٹ کو علم سے بھر دیا گیا ہے، پشت در پشت اس کے گھرانے میں اسی طرح علم کا چلن رہے گا۔ اس کے بعد شاہ صاحب نے دریافت فرمایا 'کیا پڑھتے ہو' مولانا نے جواب میں عرض کیا 'کافیہ شیخ ابن حاجب' .... اس کے بعد شاہ حمید ابدال قدس سرہ نے بطور تبرک کوئی چیز مرحمت فرما کر مولانا کو جانے کی اجازت دی اور تحصیل علم کی سخت تاکید فرمائی' (۲)

اب ملا قطب جو کافیہ تک پڑھ چکے تھے، تکمیل تحصیل کے لئے اپنے والد ماجد کے پاس لاہور حاضر ہوئے۔

'ایک مدت تک اپنے والد کے پاس لاہور میں تحصیل علم کرتے رہے۔ اکثر علوم کی تحصیل ملا عبد السلام دیوی (دیوہ ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے) کے مدرسہ میں ہوئی، بہر حال تمام فنون (اصول، فقہ، معانی، منطق، طبیعیات، الٰہیات، ریاضی اور دیگر نادر علوم وفنون اور حدیث میں کمال حاصل کرلیا' (۳)

مولانا قطب کے اساتذہ میں ان کے والد ماجد کے علاوہ ملا دانیال جوراسی اور بعض تذکروں میں ملا عبد السلام دیوی کا ذکر بھی آتا ہے۔ 'رسالہ قطبیہ' کے مصنف نے مولانا عبد السلام دیوی کے بارہ میں دو خاص باتیں تحریر فرمائی ہیں:

'(۱) ہندوستان میں علم اصول فقہ کو انہوں نے رواج دیا۔ (۲) کتب فتاوی میں درج فتووں کے خلاف فتوی دیتے تھے اسلئے کہ کتابوں میں درج فتوے اصول فقہ پر منطبق نہیں پاتے تھے' (۴)

بہر حال مولانا قطب الدین شہید کا سلسلہ تلمذ اس طرح ہے: مولانا عبد الحلیم ومولانا دانیال چوراسی، دونوں نے ملا عبد السلام دیوی سے، انہوں نے مولانا عبد السلام لاہوری سے، انہوں نے میر فتح اللہ شیرازی سے، انہوں نے خواجہ جمال الدین محمود شیرازی سے، انہوں نے علامہ جلال الدین دوانی سے، انہوں نے علامہ محی الدین کوشکناری اور خواجہ حسن شاہ بقال سے، انہوں نے میر سید شریف جرجانی سے، انہوں نے مبارک شاہ سے اور انہوں نے علامہ قطب الدین رازی سے پڑھا۔ (۵)

تذکرہ نویسوں کی صراحت کے مطابق مولانا قطب تیس سال کی عمر میں جملہ علوم وفنون ظاہری میں فراغت حاصل کر کے اپنے والد ماجد کے ہمراہ وطن لوٹے اور سہالی میں مسند درس پر بیٹھے۔ چالیس سال کی عمر میں آپ نے حضرت شاہ محبّ اللہ الہ آبادی کے خلیفہ وجانشین قاضی گھاسی الہ آبادی سے جن کا نام قاضی صدر الدین تھا علوم باطنی حاصل کئے اور سلسلہ چشتیہ میں ان کے مرید اور خلیفہ مجاز ہوئے، تخمینی حساب سے یہ ۱۰۸۰ھ ہوگا۔ ملا قطب شہید کی ذات سے درس وتدریس اور رشد وہدایت کا سلسلہ اس قدر وسیع ہوا کہ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کے مطابق:-

'اساتذہ کے سرگروہ، دانشوروں کے پیشوا، معقولات کے معدن اور منقولات کے مخزن ملا قطب الدین نے ایک عرصہ تک مسند درس کو رونق بخشی اور جگہ جگہ کے طلبہ علم کو درجہ کمال تک پہونچایا۔ آج مملکت ہندوستان کے بیشتر علماء کا سلسلہ تلمذ ملا قطب الدین تک پہونچتا ہے' (مآثر الکرام مطبوعہ)

مولانا قطب شہید کی ایک خصوصیت کا تقریبا سب تذکرہ نویس متقارب الفاظ میں ذکر کرتے ہیں، یعنی 'طلبہ علم کو درجہ کمال تک پہونچایا' (غلام علی آزاد بلگرامی)، 'اکثر طلبہ کو مقام شاگردی سے کمال فن اور استادی کے مقام بلند تک پہونچایا' (فرحۃ الناظرین)، 'آپ کی درسگاہ میں طلبہ کو نسبتاً جلد فراغ حاصل ہوتا تھا' (عمدۃ الوسائل)۔ ان اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اپنے عہد میں ملا صاحب کا اصل امتیاز خوبی درس و تدریس تھی جس کے نتیجہ میں 'تحصیل فراغ بسیاری' یعنی جلد فارغ التحصیل کرادینے کا مقصد حاصل ہوتا تھا۔ 'تحصیل فراغ بسیاری کا ایک مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بڑی تعداد میں لوگ مولانا صاحب کی خدمت میں پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے، اس سے بھی درس و تدریس کی خوبی ہی پر روشنی پڑتی ہے۔

مولانا قطب الدین کے درس کی خوبی، متانت اور امتیاز وتفوق کو ان جلیل القدر علماء کے کارناموں سے بھی پہچانا جاسکتا ہے جو ان کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کر کے استادی کے درجہ تک پہونچے، ان میں سے چند نام تاریخ نے محفوظ کر لئے ہیں:- (۱) قطب الدین

شمس آبادی، (۲) حافظ امان اللہ بنارسی، صاحبِ محکم الاصول، (۳) قاضی محب اللہ بہاری، صاحبِ سلم ومسلم، (۴) قاضی شہاب الدین گوپاموی، (۵) حاجی صفت اللہ خیر آبادی، (۶) زین العابدین سندیلوی، (۷) قاضی دولت سہالوی، (۸) ملک بہاء الدین بلگرامی، (۹) میر عبد الہادی بن میر عبد الواحد بلگرامی، (۱۰) مولانا محمد غوث کاکوروی، (۱۱) مولوی اسماعیل اورنگ آبادی، (۱۲) مولانا محمد اسعد، فرزند اکبر مولانا قطب شہید، (۱۳) مولانا محمد سعید، فرزند دوم مولانا قطب شہید، (۱۴) مولانا علی قلی جائسی (غالباً)۔

مولانا قطب شہید کے یہ سب تلامذہ اپنے اپنے علمی، تدریسی اور تصنیفی کارناموں کی بناء پر الگ الگ عنوان گفتگو بننے کے مستحق ہیں مگر اسکا یہ محل نہیں ہے۔

تلامذہ کی طرح تصانیف بھی فرزندان معنوی کے درجہ میں آتی ہیں۔ افسوس کہ مولانا قطب شہید کی تصنیفات کے مطالعہ سے دنیا محروم رہ گئی۔ اب صرف ان کے نام باقی رہ گئے ہیں۔ درحقیقت ملا صاحب کے قاتلوں نے آپ کا کتبخانہ بھی نذر آتش کر دیا تھا۔ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی فرماتے ہیں:۔

'مولانا قطب الدین نے شرح عقائد علامہ دوانی پر بڑی دقتِ نظر سے ایک حاشیہ لکھا تھا، فتنہ پردازوں نے جب ملا صاحب کے گھر پر شبخون مارا تو گھر کے سامان کے یہ حاشیہ بھی بے رحم آگ کا لقمہ بن گیا' (مآثر الکرام)

مولانا ولی اللہ فرنگی محلی تحریر فرماتے ہیں:

'ہر فن میں ایک مضبوط تصنیف اور مستحکم کتاب انہوں نے تصنیف فرمائی تھی، ان کی مشہور تصانیف میں حاشیہ تلویح، حاشیہ شرح عقائد نسفی، تفریعات بزدوی کی شرح، حاشیہ مطول اور دار الحرب کی تحقیق میں ایک رسالہ ہے۔ یہ سب بڑی ضخامت والی تصانیف ظالم بدمعاشوں کے ہاتھوں برباد ہو گئیں' ﴿۶﴾

مصنف رسالہ قطبیہ ملا عبد الاعلی نے لکھا ہے:

'مولانا قطب الدین کی بہت سی تصانیف تھیں، سب مفقود ہو گئی ہیں، شرح حکمت العین کا حاشیہ ملا بحر العلوم کی کتابوں میں موجود ہے اور امور عامہ سے متعلق ایک

رسالہ کے چند اجزاء بھی پائے جاتے ہیں، حاشیہ تلویح ملا نظام الدین کے زمانہ تک موجود تھا، اب لا پتہ ہوگیا ہے' ﴿۷﴾

یہ صورتحال بارہویں صدی ہجری کے آخر کی ہے جو مصنف رسالہ قطبیہ نے لکھی ہے۔ محضر میں جو ملا قطب کے فرزندوں کی طرف سے عالمگیر کو پیش کیا گیا تھا، تحریر ہے:۔

'ظالموں نے ملا صاحب کے کتبخانہ کو جس میں نوسو کے قریب کتابیں تھیں ان میں اکثر کو آگ لگا کر جلا ڈالا، جن میں قرآن شریف کے چار نسخے، مشکوۃ اور حدیث کی دوسری کتابیں اور ملا قطب شہید کی تصانیف حاشیہ تلویح، شرح عقائد نسفیہ، شرح تفریعات بزدوی اور حاشیہ مطول وغیرہ شامل تھیں اور جو بڑی ضخیم اور بہترین مباحث پر مشتمل تھیں، سب جل گئیں اور حملہ آور سب اٹھا لے گئے'

بہرحال اس وقت مولانا صاحب کی کوئی تصنیف نہیں پائی جاتی ہے، ان کی افسوسناک بربادی کا جتنا ماتم کیا جائے کم ہے۔ اس سے علمی دنیا ایک ایسے مصنف اور مدرس کے نقطہ نظر سے محروم ہوگئی ہے جو تدریسی پہلو سے بلاشبہ عہد آفریں تھا، ملا قطب کے علمی عہد کا آغاز ایسے وقت ہوا جب ہندوستان کے بڑے بڑے مصنفین زندہ تھے جن میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ملا عبدالحکیم سیالکوٹی، میر زاہد ہروی، اور حضرت شیخ محبّ اللہ الہ آبادی قابل ذکر ہیں، ان سب حضرات کا رجحان تصنیف جداگانہ ہے، اگر ملا قطب شہید سہالوی کی تصانیف باقی رہتیں تو علمی حلقوں کو یہ فیصلہ کرنا مشکل نہ ہوتا کہ طریقہ تدریس میں انقلاب لانے والی اس عہد آفریں شخصیت کا رجحان تصنیف کیا تھا۔

علامہ شبلی نعمانیؒ نے اپنے مضمون 'درس نظامیہ -فرنگی محل یا نظامیہ بغداد یا ہندوستان کا کیمبرج' میں ملا قطب الدین شہید کو اس طرح نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے:۔

'تمام ہندوستان بلکہ انصاف یہ ہے کہ تمام دنیائے اسلام میں یہ بات صرف اسی مقدس ذات کو حاصل ہے کہ پورے دوسو برس تک متواتر اور مسلسل بلافصل ان کی نسل سے علماء ہوتے چلے آئے اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے' ﴿۸﴾

درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور ارشاد وہدایت کا یہ سورج اپنی کرنوں کی ضیاء

پاشی سے طالبین علوم ومعرفت کی راہوں کو روشن کرنے میں شب وروز مصروف ہی تھا کہ ۱۹/ رجب ۱۱۰۳ھ مطابق ۲۷/ مارچ ۱۶۹۲ء کو بعض شرپسند عناصر نے آپ کو شہید کردیا اور سب سے بڑاالمیہ یہ ہوا کہ آپ کے کتبخانہ کو بھی نذر آتش کردیا

یہ شہنشاہ عالمگیر کا زمانہ تھا اور وہ مولانا قطب الدین کی علمی جلالت قدر سے نہ صرف واقف تھا بلکہ یک گونہ عقیدت بھی رکھتا تھا۔ اس نے درگاہ کے مصارف اور طلبہ کے خورد ونوش کے لئے کافی وسیع قطعہ آراضی مولانا صاحب کو معاف کرر کھا تھا۔ اس معافی کا فرمان بھی خاندانی دستاویزوں میں محفوظ ہے۔ عالمگیر اور مولانا صاحب کے درمیان مراسلت رہتی تھی اور بادشاہ نے کئی بار ملا صاحب سے دارالسلطنت آنے کی درخواست بھی کی لیکن آپ نے کنج عزلت چھوڑنا مناسب نہ سمجھا۔

مولانا قطب کی شہادت کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ اس نے سہالی اور جوار کے عوام وخواص، علماء واعیان اور سرکاری عہدیداروں کو جھنجھوڑ کرر کھ دیا، چنانچہ ملا قطب شہید کے فرزندوں نے بادشاہ وقت سے انصاف طلبی اور دادرسی کے لئے ایک تفصیلی محضر تیار کیا جو واقعہ کی تمام جزئیات، قاتلوں، مقتولوں، زخمیوں کے نام اور دیگر تفصیلات پر مشتمل تھا اور جس پر علاقہ اور جوار کی پچھتر سربرآوردہ شخصیات نے اپنے تصدیقی دستخط ثبت کئے تھے ﴿۹﴾۔ مولانا قطب شہید کے منجھلے صاحبزادے مولانا سعید یہ محضر لے کر اورنگ زیب کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے جو اس وقت دکن میں تھا اور جسے اپنے وقائع نگاروں کے ذریعہ پہلے ہی حادثہ کی تفصیلات معلوم ہوچکی تھیں اور اس نے فتنہ پردازوں کی سرکوبی کے احکامات بھی صادر کردئے تھے۔ چنانچہ مولانا ولی اللہ فرنگی محلی لکھتے ہیں:-

'جب شاہی خبر رسانوں نے ملا قطب کے واقعہ شہادت کی اطلاع بادشاہ عالمگیر کو جو اس زمانہ میں دکن میں تھا لکھ کر بھیجی تو فی الفور شاہی احکام صوبہ داران علاقہ کو موصول ہوئے کہ ملا قطب الدین کے قاتلوں کو جلد از جلد سزادی جائے، ان کے گھروں کو مسمار کردیا جائے اور قاتلوں میں سے جو بھی ہاتھ آئے اس کو قتل کردیا جائے۔ ﴿۱۰﴾

فرنگی محل (لکھنؤ)

مولانا قطب شہید کے چار بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ بیٹیوں کی شادیاں گڑھی بھلول اور گھس کر میں ہوئی تھیں۔ بیٹوں میں سب سے بڑے مولانا اسعد، ان سے چھوٹے مولانا سعید، ان سے چھوٹے علامہ نظام الدین محمد اور سب سے چھوٹے مولانا محمد رضا تھے۔ مولانا اسعد اور مولانا سعید نے اپنے والد ماجد ہی سے تحصیل علم کی تھی۔ مولانا اسعدؔ اپنے والد کی حیات ہی میں اورنگ زیب کے پاس چلے گئے تھے اور اپنی بیوی اور خورد سال بیٹے غلام محمد مصطفیٰ کو اپنے والد کے پاس چھوڑ دیا تھا۔ وہ عالمگیر کے پاس ہی تھے کہ والد ماجد کی شہادت کی خبر ملی۔ مولانا اسعد پھر زندگی بھر وطن نہیں لوٹے ان کا سال وفات اور مرقد تک نہیں معلوم ہے۔ انہوں نے اپنی ذہانت و علمیت سے دربار شاہی میں بڑا رسوخ حاصل کیا تھا، اغصان اربعہ میں ہے کہ مولانا اسعد، برہان پور کے صدر الصدور کے عہدہ پر فائز تھے ﴿۱۱﴾۔ مولانا اسعد کا علمی کارنامہ علامہ دوانی کے حاشیہ قدیمہ پر حاشیہ، موجود ہے جو انکی علمی قابلیت کی دلیل قاطع ہے۔

منجھلے صاحبزادے مولانا محمد سعید اپنے والد ماجد کی شہادت کے وقت موجود تھے اور اس معرکہ میں زخمی بھی ہوئے تھے۔ وہ محضر لے کر عالمگیر کی خدمت میں گئے تھے جو اس وقت دکن میں فروکش تھا۔ عالمگیر صورت واقعہ سے پہلے ہی باخبر ہو چکا تھا، اس نے مولانا قطب شہید کے کنبے کی اس خواہش کو کہ اب وہ لوگ سہالی میں نہیں رہنا چاہتے، معلوم کر کے ملا سعید ہی کے ذریعہ 'کروری بلدۂ لکھنؤ' کو فرمان بھیجا کہ:-

'مولانا قطب شہید کے فرزند ارجمند مولانا محمد سعید اپنے اور ملائے شہید کے دوسرے بیٹوں کے رہنے کے لئے جو مکان بھیلا لکھنؤ میں پسند کریں، وہ ان کے سپرد کر اس پر انہیں قبضہ دلا دیا جائے' ﴿۱۲﴾

کروری بلدۂ لکھنؤ اس زمانہ میں شیخ حسام الدین تھے جو مولانا قطب شہید کے چچیرے بھائی تھے۔ وہ خود اگرچہ لکھنؤ میں تھے لیکن ان کا گھر بار سہالی میں تھا، خود ان کا گھر بھی مولانا قطب شہید کے قاتلوں کے ہاتھوں تاراج ہوا تھا۔

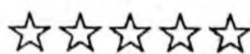
مولانا محمد سعید عالمگیر کا مذکورہ فرمان لے کر کروری بلدۂ لکھنؤ کے پاس آئے اور

اپنے کنبے کے لئے ایک فرانسیسی تاجر کی اس حویلی پر ان کی نظر انتخاب پڑی جو کرایہ داری کی مدت ختم ہو جانے کے بعد سرکاری ملک میں آ گئی تھی۔ اس کوٹھی میں، جو حویلی فرنگی کہلاتی تھی، اپنے گھر والوں کو بسا کر ملا سعید خاص اس حویلی کا فرمان حاصل کرنے دوبارہ عالمگیر کے پاس دکن روانہ ہوئے اور جدید فرمان لے کر جس میں 'یک منزل حویلی فرنگی' کی صراحت ہے (اور جو اب تک محفوظ ہے) وطن واپس آئے ﴿۱۳﴾۔

مولانا سعید کچھ عرصہ وطن میں قیام کر کے پھر عالمگیر کے پاس چلے گئے، اور وہیں انتقال فرمایا، سال وفات اور مرقد کے سلسلہ میں وہ بھی اپنے بڑے بھائی کے ہم قسمت ثابت ہوئے۔ آپ نے فتاوی عالمگیری کی تدوین میں بھی حصہ لیا تھا۔

اب مولانا قطب شہید کے کنبے کی سربراہی عملا ان کے سنجھلے فرزند علامہ نظام الدین محمد کے ذمہ آ گئی جو والد ماجد کی شہادت کے وقت صرف چودہ سال کے تھے اور ان کی تعلیم بھی متوسطات سے آگے نہیں بڑھ پائی تھی۔

اس طرح سہالی سے لکھنؤ منتقل ہونے اور حویلی فرنگی (فرنگی محل) میں فروکش ہونے کے بعد اس خاندان کی تاریخ ایک نئے مرحلہ میں داخل ہوتی ہے۔ اس مرحلہ کے مؤسس علامہ نظام الدین محمد تھے جنہوں نے خاندان کی سربراہی کی ذمہ داریوں کے باوجود اپنے آبائی مشغلہ، یعنی تعلیم وتدریس اور تصنیف وتالیف کو نہ صرف قائم رکھا بلکہ اسے نئی بلندیوں تک پہونچایا۔ علمی مشاغل کے تئیں آپ کی وفاداری اور استقامت (Commitment) کے نتیجہ میں فرنگی محل کی درسگاہ جلد ہی مرجع خلائق اور علامہ شبلی نعمانی کے الفاظ میں 'اسلامی علوم کی یونیورسٹی' بن گئی۔



حوالہ جات وحواشی:

﴿۱﴾ رسالہ قطبیہ مخطوطہ، ص ۵
﴿۲﴾ عمدۃ الوسائل للنجاۃ مخطوطہ، ص۵۸
﴿۳﴾ عمدۃ الوسائل للنجاۃ مخطوطہ، ص۵۹
﴿۴﴾ رسالہ قطبیہ مخطوطہ، ص ۱۷
﴿۵﴾ تذکرہ علمائے فرنگی محل مصنفہ مولانا عنایت اللہ فرنگی محلیؒ ومطبوعہ در مطبع اشاعۃ العلوم (۱۳۵۹ھ مطابق ۱۹۳۰ء)، ص۱۱
﴿۶﴾ عمدۃ الوسائل للنجاۃ مخطوطہ، ص۶۰
﴿۷﴾ رسالہ قطبیہ مخطوطہ، ص ۴
﴿۸﴾ الندوہ، جلد نمبر ۱۲، دسمبر ۱۹۲۰ء۔
﴿۹﴾ محضر کا مکمل متن (فارسی) دیکھنے کے لئے ملاحظہ ہو 'بانی درس نظامی' از مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی۔
﴿۱۰﴾ عمدۃ الوسائل للنجاۃ مخطوطہ، ص۶۸۔
﴿۱۱﴾ اغصان اربعہ، ص۱۳۳۔
﴿۱۲﴾ ایضاً۔
﴿۱۳﴾ ایضاً۔

نوٹ:- اس باب کی تحریر میں محولہ بالا مراجع ومصادر کے علاوہ 'علمائے فرنگی محل' از محمد حامد انصاری مرحوم، اور 'بانی درس نظامی'، از مفتی محمد رضا انصاری سے بطور خاص استفادہ کیا گیا ہے۔

باب دوم

مشاہیر

مولانا قطب الدین شہید کا کنبہ ۱۱۰۵ھ مطابق ۱۶۹۴ء میں فرنگی محل میں آباد ہوا۔ فرنگی محل کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس عمارت میں ایک فرانسیسی تاجر، جو کپڑوں اور پارچہ جات کی تجارت کرتا تھا، مقیم تھا، اسی کی نسبت سے یہ عمارت 'حویلی فرنگی' یا 'فرینکس کوارٹرس' کہلاتی تھی، تاریخی مصادر اس عمارت میں کپڑوں کے ایک کارخانہ کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ بہر حال اورنگ زیب کے عہد میں جب مولانا قطب شہید کی شہادت کا واقعہ پیش آیا اور ان کے کنبے کے لئے لکھنؤ میں رہائش گاہ کی ضرورت پڑی تو اس وقت یہ حویلی خالی تھی اور نزولی عمارتوں میں شامل تھی، اس کی تصریح اورنگ زیب کے فرمان میں موجود ہے ﴿۱﴾۔ مولانا قطب الدین شہید کے کنبے کے آباد ہونے کے بعد رفتہ رفتہ اس عمارت کو فرنگی محل کہا جانے لگا اور اس نام نے تاریخ میں زبردست شہرت حاصل کر لی۔

ظاہر ہے، فرنگی محل کو یہ شہرت، علامہ نظام الدین محمد کی درسگاہ اور ان کے جاری کردہ درس نظامی کی بدولت حاصل ہوئی۔ آج فرنگی محل میں مولانا قطب شہید کے کنبے کو آباد ہوئے تقریباً سوا تین سو سال گزر چکے ہیں، یہ اتنی لمبی مدت ہے کہ بڑی بڑی با جبروت حکومتیں اتنی مدت تک اپنا عروج و اقبال برقرار نہ رکھ سکیں۔ لیکن یہ مولانا شہید کی مظلومیت ہے، یا علامہ نظام الدین محمد کا اخلاص و استقلال، کہ تھوڑے بہت نشیب و فراز کے ساتھ، اس خاندان کی علمی وجاہت و سیادت آج تک قائم ہے، اور وقفہ وقفہ سے یہاں کوئی نہ کوئی مرد خدا ظاہر ہوتا رہتا ہے جو اپنے اسلاف کی یاد تازہ کر دیتا ہے اور علم و عمل کی کتاب میں کسی

سنہرے باب کا اضافہ کر جاتا ہے۔ بقول شاعر ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

سوا تین صدیوں کی اس مدت میں خاندان فرنگی محل نے بیشمار لعل و گہر جنم دیے ہیں علامہ نظام الدین محمد، سرگروہ خاندان کے علاوہ، مولانا عبد العلی بحر العلوم، مولانا محمد حسن، مولانا محمد عبدالحی، مولانا عبدالباری، مولانا مبین اور مفتی ظہور اللہ وغیرہ اپنے اپنے زمانہ کے عدیم النظیر علماء وفقہاء میں شمار ہوتے ہیں۔ مولوی محمد حامد انصاری مرحوم نے اپنی کتاب 'علمائے فرنگی محل' (مبنی بر 'تذکرۂ علمائے فرنگی محل' از مفتی محمد عنایت اللہ مرحوم) میں حروف تہجی کی ترتیب سے تقریباً تین سو علمائے فرنگی محل کے مختصر سوانح تحریر کئے ہیں۔

(۱) علامہ نظام الدین محمد فرنگی محلیؒ ابن مولانا قطب الدین شہید

ولادت: ۸۹/۹۰ ۱۰ھ مطابق ۱۶۷۸ء وفات: ۱۱۶۱ھ

علامہ نظام الدین محمد اپنے والد ماجد کی شہادت کے وقت (۱۶۹۲ء) چودہ سال کے تھے، اس حساب سے آپ کا سنہ پیدائش ۱۶۷۸ء قرار پاتا ہے۔ اپنی عمر کے ابتدائی چودہ برس علامہ صاحب نے والد ماجد کے سایہ عاطفت میں گزارے اور متوسطات تک کا نصاب انہیں سے پڑھا۔ والد ماجد کی شہادت کے بعد تقریبا دو سال تک گھر میں افراتفری کا ماحول رہا اور تحصیل علم کا سلسلہ موقوف رہا۔ فرنگی محل میں آباد ہونے کے بعد جب ذرا اطمینان خاطر نصیب ہوا تو علامہ صاحب نے سلسلہ تعلیم کو مکمل کرنے کی ٹھانی، چنانچہ رخت سفر باندھا اور تقریبا دس سال کی مدت میں علوم متداولہ کی تحصیل سے فارغ ہو کر واپس لوٹے۔

اساتذہ

علامہ صاحب کے اساتذہ میں سب سے پہلا نام خود ان کے والد ماجد کا ہے جن کی زندگی میں آپ شرح جامی تک تعلیم پا چکے تھے۔ گو آج قطعیت کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ سہالی میں آپ کی جو تعلیم ہوئی وہ از اول تا آخر والد ماجد ہی کے ذریعہ ہوئی لیکن

قرین قیاس یہی معلوم ہوتا ہے کہ فاضل اور معلم باپ نے ہونہار فرزند کی تعلیم وتربیت کی طرف خود ہی توجہ کی ہوگی۔ والد ماجد کی شہادت کے بعد دیوہ (ضلع بارہ بنکی) جائس (ضلع رائے بریلی) بنارس اور لکھنؤ میں تعلیم حاصل کرنے کی روایتیں ملتی ہیں۔ صرف دیوہ میں استاذ کا نام نہیں ملتا لیکن دوسرے مقامات کے اساتذہ کے نام تاریخ میں محفوظ ہیں۔ جائس میں ملا علی قلی جائسی کے درس کی شہرت تھی اور ملا محمد باقر بھی یہیں مسند درس بچھائے ہوئے تھے۔ ملا نظام الدین اول اول ملا محمد باقر کی خدمت میں حاضر ہوئے جنہوں نے فرمایا کہ پہلے وہ ان کے بعض تلامذہ سے درس لیں۔ ملا صاحب اس پر اپنی طبیعت کو راضی نہ کر سکے اور ملا علی قلی کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے اور انہیں سے اکثر کتب درسیہ پڑھیں۔ اس کے بعد بنارس جا کر اپنے والد ماجد کے ایک صاحبِ درس وصاحبِ تصانیف شاگرد مولانا امان اللہ بنارسی سے علم کلام کی انتہائی کتاب 'شرح مواقف' اور بعض دوسری انتہائی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد لکھنؤ واپس آئے اور مسجد ٹیلہ شاہ پیر محمد میں ان کے بیک واسطہ شاگرد اور خلیفہ وسجادہ نشیں ملا غلام نقشبند سے فن ہیئت کی انتہائی کتاب 'رسالہ قوشجیہ' پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے، فرنگی محل میں مسند درس بچھائی اور تعلیم وتدریس کے آبائی مشغلہ میں منہمک ہو گئے۔

علامہ سید عبد الحئ حسنی، جو تراجمِ رجال کے سلسلہ میں صاحبِ ترجمہ کی حقیقی خصوصیتوں کی نشاندہی کرنے میں انتہائی مہارت اور حد درجہ شہرت رکھتے ہیں، علامہ نظام الدین محمد کو 'الإمام العالم الكبير، العلامة الشهير، صاحب العلوم و الفنون، غيث الإفادة الهتون، العالم بالربع المسكون، أستاذ الأساتذة، إمام الجهابذة الذى تفرد بعلومه وأخذ لوائها بيده، لم يكن له نظير في زمانه في الأصول والمنطق والكلام' کے شاندار القاب وخطابات سے نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

طریقہ درس کا امتیاز

یہاں پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ علامہ نظام الدین کی مسند درس آراستہ ہونے کے بعد طلبہ علوم کی توجہ ان کی طرف کب اور کیسے مبذول؟ ایک پچیس سالہ نئے فارغ التحصیل کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنا اور بات ہے لیکن اس استاد کی اہمیت محسوس

کرنے کی کیا وجہ ہوسکتی تھی؟ جب کہ علامہ نظام الدین کے بالکل اولین شاگروں کی ہونہاری اس کا تقاضا کرتی ہے کہ ان میں کوئی نہ کوئی مابہ الامتیاز خصوصیت ضرور ہونی چاہئے تھی، آپ کے اولین شاگروں میں آپ کے تین بھتیجوں (غلام محمد مصطفیٰ بن ملا محمد اسعد، احمد عبد الحق بن مولانا محمد سعید اور عبد العزیز بن مولانا محمد سعید) کے علاوہ میراں کمال الدین بنگالی اور مولانا کمال الدین سہالوی جیسے نابغہ روزگار علماء کے نام ملتے ہیں جن میں سے ہر ایک استاذ الاساتذہ کے منصب پر فائز ہوا اور ایک عظیم حلقہ درس کا مؤسس بنا۔

میری نگاہ میں علامہ نظام الدین کے طریقہ درس کی یہ خوبی انکے نصاب تعلیم، جسے بعد میں درس نظامی کا مستقل عنوان بھی حاصل ہوا، میں پوشیدہ تھی جس کی بدولت ایک طالب علم کم سے مدت میں فارغ التحصیل ہوجاتا تھا۔ دراصل نصاب درس میں اس انقلابی تغیر کا آغاز آپ کے والد ماجد مولانا قطب الدین شہیدؒ نے کیا تھا، چنانچہ انہوں نے ہر فن کی ایک ایک کتاب، جو متعلقہ فن کی مشکل ترین کتاب ہوتی تھی، شامل درس کی تھی، علامہ نظام الدین نے اس میں ایک ایک کتاب کا مزید اضافہ کیا، نیز طلبہ کی انفرادی استعداد اور قوت اخذ و تحصیل کا اعتبار کیا، چنانچہ بعض طلبہ کو اپنے والد ماجد کی طرح ہر فن کی ایک ہی کتاب پڑھاتے تھے لیکن بعض طلبہ کو دو یا تین کتابیں بھی پڑھایا کرتے تھے۔ اس طریقہ درس کا فائدہ یہ ہوا کہ غیر معمولی طلبہ محض چار پانچ سال کی مدت میں فارغ التحصیل ہوجاتے تھے جب کہ اوسط استعداد کے طلبہ بھی رفتہ رفتہ کمال فن حاصل کر لیتے تھے۔ جدید تعلیمی نظریات میں طلبہ کے انفرادی رجحانات کی رعایت پر جو زور دیا جاتا ہے، اس کی دھمک ہمیں تین سو سال قبل ملا نظام الدین اور ان کے والد بزرگوار کے تجویز کردہ نصاب درس اور طریقہ درس میں صاف سنائی دے سکتی ہے۔

درس گاہ اور تلامذہ

علامہ نظام الدین کی درسگاہ جسے تاریخی روایتوں میں 'مدرسہ ملا نظام الدین' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، دراصل آپ کی رہائشی عمارت (حویلی فرنگی، فرینکس کوارٹرس یا فرنگی محل) میں ہی واقع تھی۔ بعض تذکرہ نویسوں نے 'مدرسہ ملا نظام الدین' کا ذکر اس طرح کیا ہے

جیسے وہ الگ سے کوئی عمارت ہو جسے تعلیم و تعلم کے لئے استعمال کیا جاتا تھا، لیکن حقیقت یہی ہے کہ علامہ نظام الدین کا مدرسہ آپ کی حویلی یا (بعد میں) اس مسجد میں ہی قائم تھا جو آپ کے زمانہ میں ہی تعمیر ہوئی تھی اور فرنگی محل کی قدیم عمارت میں شامل نہیں تھی۔

ابتدائی چند برسوں کے بعد ہی علامہ صاحب کا حلقہ درس اسقدر وسیع ہو گیا تھا کہ تنہا آپ کے لئے تمام طلبہ کو درس دینا ممکن نہیں رہ گیا تھا، چنانچہ آپ نے اپنے چھوٹے بھائی مولانا محمد رضا کو بھی، جو ایک روایت کے مطابق آپ سے چار یا پانچ سال اور دوسری روایت کے مطابق محض دو سال ہی چھوٹے تھے، اور جو آپ کے ہم استاد اور ہم پیر بھی تھے، اپنے ساتھ شامل کر لیا اور وہ گویا مددگار مدرس کے طور پر آپ کا ہاتھ بٹانے لگے۔ ملا محمد رضا نے درس و تدریس میں عملی تعاون کے ساتھ ساتھ خاندان کے انتظامی امور کے ذمہ داری بھی اپنے سر لے رکھی تھی اور علامہ نظام الدین صاحب کو ان بکھیڑوں سے یکسر بے نیاز کر رکھا تھا۔ مولانا محمد رضا زیادہ دنوں تک آپ کے ساتھ نہ دے سکے اور حضرت سید عبد الرزاق بانسوی سے بیعت کا سلسلہ قائم ہونے کے بعد تارک الدنیا ہو گئے۔ لیکن اس وقت تک آپ کے دو بھتیجے مولانا غلام محمد مصطفیٰ اور مولانا احمد عبد الحق آپ ہی سے پڑھ لکھ کر فارغ التحصیل ہو چکے تھے۔ مولانا غلام محمد مصطفیٰ تو ملانواں کے قاضی مقرر ہو کر فرائض عدالت انجام دینے لگے اور ملا احمد عبد الحق نے مولانا محمد رضا کی خالی جگہ کو پر کر دیا۔ درس و تدریس میں مشغول ہونے کے باوجود مولانا احمد عبد الحق نے اپنے نامور چچا علامہ نظام الدین کو امور خانگی سے اس طرح بے نیاز کر دیا تھا کہ:

'ملا نظام الدین ہمیشہ لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ میاں احمد عبد الحق (بھتیجے) کی بدولت نظام الدین نظام الدین بنے، انہوں نے دنیا کی الجھنیں اور تمام معاملات کی پریشانیاں اپنے سر لے لیں اور میں پورے اطمینان کے ساتھ درس و تدریس میں مشغول ہو گیا' ﴿۲﴾

علامہ نظام الدین کے بیرونی طلبہ کثرت تعداد کی وجہ سے ٹیلہ شاہ پیر محمد پر رہتے تھے۔ مولانا غلام نقشبند (جو شاہ صاحب خلیفہ و سجادہ نشین اور علامہ نظام الدین کے آخری استاد تھے) کی وفات (۱۱۲۶ھ مطابق ۱۷۱۴ء) کے بعد درس و تدریس کا سب سے بڑا

مرکز علامہ نظام الدین کا آستانہ تھا، خود ملا نقشبند کی اولاد بھی علامہ نظام الدین سے شرف تلمذ رکھتی تھی، چنانچہ علامہ نظام الدین کے بیرونی طلبہ کی اقامت گاہ یہی ٹیلہ شاہ پیر محمد تھا۔

مرزا محمد حسن قتیل کا کہنا ہے کہ:

'اب سے پہلے (زمانہ تصنیف یعنی ۱۲۲۷ھ مطابق ۱۸۱۲ء سے پہلے) شاہ پیر محمد صاحب ٹیلہ پر جو لکھنؤ میں دریا کے کنارے مشہور جگہ ہے، سات سو طلبہ کے رہنے، کھانے پینے اور پہننے کے اخراجات کے لئے بادشاہ ہندوستان کی طرف سے ضروری مشاہرہ مقرر تھا' (۳)

اگر درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو ایک استاذ کی شناخت لازمی طور پر اس کے تلامذہ سے ہونی چاہئے۔ علامہ نظام الدین صاحب کے درس و تدریس کی مدت نصف صدی پر محیط ہے، لہذا فطری طور پر آپ کے تلامذہ کی فہرست کافی طویل ہونی چاہئے۔ ظاہر ہے کہ یہ موقع اسکا بھی متحمل نہیں ہوسکتا کہ علامہ صاحب کے ممتاز ترین تلامذہ کا ہی تذکرہ کردیا جائے لہذا ہم بطور نمونہ علامہ صاحب کے صرف چند شاگردوں کے ذکر پر اکتفاء کریں گے۔

میراں کمال الدین بنگالی

بنگالہ کے رہنے والے تھے، مرزا قتیل کے بیان کے مطابق علامہ نظام الدین سے فارغ التحصیل ہوکر فتح پور ضلع بارہ بنکی میں مسند درس بچھائی تھی، اور علامہ کے ایک نامور اور صاحب درس شاگرد مولانا کمال الدین سہالوی کو درسیات کے مختصرات پڑھائے تھے۔ فتح پور سے میراں کمال الدین اپنے وطن بنگالہ (عظیم آباد) تشریف لے گئے اور بہار و بنگال کے علاقوں میں اپنے استاذ کے فیوض عام کرتے رہے، انہیں ملا صاحب کے اولین شاگردوں میں سرفہرست قرار دیا جاسکتا ہے۔

ان کے بارے میں ملا عبد الاعلی، مصنف رسالہ قطبیہ کا بیان ہے:

'استاد ملا نظام الدین سے بے پناہ محبت کرتے تھے، استاد کی وفات کی جھوٹی خبر سن کر اسقدر رنجیدہ ہوئے کہ اس غم میں جان دیدی، اور سید ظریف (ملا صاحب کے دوسرے شاگرد جو میران کمال کے ہموطن تھے) روتے روتے اپنی بینائی کھو بیٹھے' ﴿۴﴾

مولانا غلام محمد مصطفیٰ (ولادت: ۱۰۹۶ھ): مولانا احمد عبد الحق (ولادت: ۱۱۰۳ھ وفات: ۱۱۶۷ھ)

مولانا عبد العزیز (وفات: ۱۱۶۵ھ)

علامہ صاحب کے اولین شاگردوں میں آپ کے یہ تینوں بھتیجے بھی شامل تھے، ان میں سے اول الذکر آپ کے بڑے بھائی مولانا اسعد کے بیٹے تھے اور مؤخر الذکر دونوں حضرات آپ کے منجھلے بھائی مولانا سعید کے فرزند تھے۔ خاندان کے ان تینوں اولین شاگردوں میں مولانا احمد عبد الحق مصنف اور صاحب درس تھے، بلکہ مولانا صاحب کی درسگاہ میں ہی مددگار مدرس تھے، اس کے علاوہ ان کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ گھربار اور درسگاہ کی انتظامی ذمہ داریوں سے ملا صاحب کو بے نیاز کر رکھا تھا۔ عمر میں مولانا صاحب سے چودہ سال چھوٹے تھے لیکن وفات میں صرف چھ سال پیچھے رہے۔ ان کے چھوتے بھائی ملا عبد العزیز اپنے بڑے بھائی سے دو سال قبل ہی وفات پا گئے تھے۔ مولانا صاحب کے سب سے بڑے بھتیجے غلام محمد مصطفیٰ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ملانواں ضلع ہردوئی کے قاضی ہو گئے تھے۔ منصب قضاء پر عزل ونصب کے کئی دور دیکھنے کے بعد اپنے بڑے بیٹے مولانا محمد علی کے ساتھ عازم دہلی ہوئے کہ معاملات کا آخری تصفیہ کرائیں، لیکن راستہ میں دونوں باپ بیٹے غالباً شہید کر دئے گئے۔

مولانا کمال الدین سہالوی ثم فتح پوری

اوپر گزر چکا ہے کہ مولانا کمال الدین سہالوی نے درسیات کے مختصرات فتحپور میں، جہاں ان کے والد ماجد مولانا قطب الدین کی شہادت کے بعد ہجرت فرما گئے تھے، میراں کمال الدین بنگالی سے پڑھے تھے۔ اس کے بعد درسیات کی تکمیل علامہ نظام الدین صاحب کے ذریعہ کی، اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ خاندان فرنگی محل کے جو حضرات علامہ نظام الدین سے درسیات کی تکمیل نہیں کر سکے تھے کہ ان کی وفات ہو گئی انہوں نے مولانا کمال ہی سے فاتحہ الفراغ پڑھا، خود علامہ نظام الدین کے نامور صاحبزادے بحر العلوم نے درسیات کا مذاکرہ مولانا کمال سے ہی کیا تھا۔

مولانا کمال الدین کے ذریعہ استاذ الہند کے سلسلہ تلمذ کو اللہ تعالی نے خوب فروغ دیا، چنانچہ مولانا کمال کے نامور تلامذہ میں ملا حسن فرنگی محلی، مولانا محمد برکت الہ آبادی، ملا حمد اللہ سندیلوی، ملا عبد اللہ سندیلوی اور ملا محمد اعلم سندیلوی تھے۔ یہی ملا محمد اعلم سندیلوی ہیں جن کے شاگرد ملا عبد الواجد خیر آبادی تھے، ملا عبد الواجد مولانا فضلِ امام خیر آبادی (والد ماجد مولانا فضلِ حق خیر آبادی) کے استاذ تھے جن سے خیر آبادی سلسلہ تلمذ جاری ہوا۔

مولانا کمال الدین کے درس کا فیض ان کے تلامذہ کے ذریعہ مغربی اضلاع، یعنی بجنور، مراد آباد، مظفر نگر اور سہارنپور وغیرہ میں اس وقت پھیلا جب نواب نجیب الدولہ یا ان کے بیٹے غلام قادر روہیلہ نے امروہہ کے قریب دارانگر میں ایک مدرسہ قائم کیا اور اس میں مولانا کمال کے شاگردوں کو بیش قیمت تنخواہوں پر درس و تدریس کے لئے نامور کیا۔ ۵۰)

مولانا کمال کے بڑے فرزند مولانا قطب الدین محمد نے اپنے والد ہی سے تکمیل علوم کی تھی، اور نکتہ سنجی و دقت آفرینی میں اس درجہ تک پہونچ گئے تھے کہ:

'مولانا کمال الدین فرمایا کرتے تھے کہ اگر قطب الدین درس دینا شروع کرتے تو مجھ سے کم نہ رہتے، مولانا صاحب افسوس کیا کرتے تھے کہ بیٹے کی طبیعت پڑھانے کی طرف کسی طرح راغب نہیں ہوتی۔ (٦)

مولانا قطب کے ایک ہم درس ملا محمد مستعان کاکوروی، جو مولانا کمال الدین کے شاگرد تھے، کہا کرتے تھے:

'مولانا کمال الدین سہالوی کی روح مولوی قطب الدین کے جسم میں پوری طرح سما گئی ہے۔ اگر وہ درس و تدریس کا سلسلہ قائم کرتے تو اپنے نامور باپ (مولانا کمال الدین) کے نام کو بڑی شہرت بخشتے۔

مولانا کمال الدین کے اس لائق و ہونہار فرزند نے درس و تدریس کی طرف کیوں توجہ نہیں کی، اس کی وجہ اغصان الانساب کے مصنف نے وہی بیان فرمائی ہے جو اکثر علمی ذہنوں کی خانہ خرابی کی ہوا کرتی ہے، یعنی سیاست میں پڑ کر خدمت علم سے غافل ہو گئے، مصنف اغصان الانساب کا کہنا ہے کہ:

'مولوی قطب الدین محمد جب تحصیل علم کر چکے تو ان کے حقیقی چچا قاضی جان محمد کسی ضرورت یا مقصد سے انہیں اپنے ہمراہ دلی لے گئے (قاضی صاحب خود بڑے حکام رس اور دربار شاہی تک پہونچ رکھنے والے آدمی تھے) انہوں نے دلی میں امیروں اور شاہی افسروں سے بھتیجے کی راہ ورسم کرادی اور دنیاوی دھندوں میں پھنسا دیا۔(۷)

مولانا کمال الدین سہالوی خود اس درجہ کے فاضل تھے کہ تنہا وہی اپنے استاد علامہ نظام الدین کا نام روشن کرنے کے لئے بہت تھے۔ان کی ٹکر کا عالم، مدرس اور مصنف اس زمانہ میں دور دور تک کوئی دوسرا نہ تھا، ان کی تصانیف (عروۃ الوثقی، شرح کبریت احمر، اور حاشیہ شرح عقائد جلالی) میں سے حاشیہ چھپ چکا ہے، عروۃ الوثقی اور شرح کبریت احمر مولانا آزاد لائبریری (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) کے مولانا عبدالحئی فرنگی محلی کلکشن میں بشکل مخطوطہ محفوظ ہے۔

مرزا قتیل عروۃ الوثقی سے اس قدر مرعوب نظر آتے ہیں کہ ان کا خیال ہے:

'ملا کمال نے ایک کتاب عروۃ الوثقی لکھی ہے جس کی باریکیوں کے سمجھنے اور جس کے دقیق مطالب کے حل کرنے سے بڑے بڑے علماء عاجز ہیں۔(۸)

پھر لکھتے ہیں:۔

'میر کمال الدین (وہی جن کا ذکر میراں کمال الدین بنگالی کے نام سے اوپر گزر چکا ہے اور جن سے ملا کمال الدین سہالوی نے فتحپور، بارہ بنکی میں درسیات کے مختصرات پڑھے تھے) بہار کے رہنے والے بھی ملا نظام الدین کے شاگرد تھے، چنانچہ ملا نظام الدین، میر کمال الدین اور ملا کمال الدین کو ''کمالین'' کہا کرتے تھے۔میر کمال الدین کے شاگردوں کی اکثریت بنگال کے اطراف میں پائی جاتی ہے۔(۹)

اس طرح میراں کمال الدین ساکن بنگالہ یا ساکن بہار نے اپنے استاد کا فیض بہار و بنگال میں عام کیا جہاں ان کے شاگردوں کی کثرت ہوئی اور ملا کمال الدین سہالوی اودھ میں سرگرم فیض رسانی رہے۔

مولانا احمد حسین فرنگی محلی ابن مولانا محمد رضا

مولانا محمد رضا کے بیٹے، مولانا احمد حسین استاذ الہند کے ایسے نامور شاگرد تھے

جنہوں نے ان کی زندگی ہی میں درس دینا شرع کر دیا تھا اور ان کے بعد فرنگی محل کی مسند درس کی رونق گھٹنے نہیں دی تھی۔ مولانا صاحب نے ان کو متبنیٰ بھی بنالیا تھا، درس و تدریس کے سوا ان کا اور کوئی مشغلہ نہ تھا۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے الفاظ میں: 'بڑے علماء اور زبردست دانشوروں میں تھے۔ ساری زندگی درس وتدریس اور شعائر دین کی ترویج میں گزاردی' (خير العمل قلمي، منقول از آثار الاول من علماء فرنجي محل لمولانا عبد الباری فرنجي محلی)

لیکن مولانا احمد حسین زیادہ شہرت نہ حاصل کر سکے، اس کی وجہ مولانا محمد نعیم فرنگی محلی کی قلمی یادداشت میں اس طرح منقول ہوئی ہے:-

'مولوی نعیم اللہ فرنگی محلی (برادرزادہ وشاگرد ملا مبین) کی زبانی میں نے سنا کہ ملا محمد مبین ملا احمد حسین کے شاگرد تھے (ملا حسن کے شاگرد تو تھے ہی) اور ان کی بیحد تعریف و توصیف کیا کرتے تھے، کہتے تھے کہ جہاں تک تبحر علمی کا تعلق ہے ملا احمد حسین میں ملا محمد حسن سے زیادہ تھا، لیکن چونکہ ملا احمد حسین کی کوئی تصنیف نہیں تھی اس لئے اس زمانہ میں وہ عالمگیر شہرت نہیں رکھتے، اپنے زمانہ میں وہ بہت مشہور تھے چنانچہ تفضّل حسین خاں صاحب (علامہ تفضّل حسین خاں استاد نواب سعادت علی خاں وزیر الممالک) بھی ملا احمد حسین کے شاگرد تھے اور ان کے زمانہ کے بہت سے بڑے بڑے لوگ ان کے سلسلہ تلمذ میں داخل تھے۔

علامہ تفضّل حسین کے بارہ میں عام طور پر یہی ملتا ہے کہ انہیں ملا محمد حسن سے تلمذ تھا، یقیناً ملا حسن سے بھی تھا، اور چونکہ مولانا حسن بحیثیت مصنف کافی مشہور ہیں، اور مولانا احمد حسین ابن محمد رضا فرنگی محلی 'بسبب بے تصنیفی' کے شہرۂ آفاق نہ ہو سکے اس لئے تذکرہ نگاروں نے علامہ تفضّل حسین کے اساتذہ میں مولانا احمد حسین فرنگی محلی کا ذکر قلم انداز کر دیا۔

غفران مآب (ولادت: ۱۱۶۶ھ مطابق ۵۳/۱۷۵۲ء وفات: ۱۲۳۵ھ مطابق ۱۸۲۰ء)

علامہ تفضّل حسین خاں کے ذکر کے ساتھ ہی جو ملا نظام الدین کے بیک واسطہ (مولانا احمد حسین و مولانا محمد حسن) شاگرد تھے مولانا سید دلدار علی نقوی نصیر آبادی کا ذکر بھی ضروری سا ہے جن کو دو واسطوں سے علامہ نظام الدین سے تلمذ تھا۔ سید دلدار علی، جو

غفران مآب کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں، اور جن کا خاندان 'خاندان اجتہاد' کہلاتا ہے، مولانا حیدر علی سندیلوی کے شاگرد تھے، جو اپنے والد مولانا حمد اللہ سندیلوی کے شاگرد تھے۔ مولانا حمد اللہ سندیلوی مولانا کمال الدین سہالوی کے شاگرد تھے نیز کچھ کتابیں علامہ نظام الدین سے بھی پڑھی تھیں اور فاتحہ الفراغ بھی ان ہی سے پڑھا تھا۔ مولانا دلدار علی کے صاحبزادے مولانا سید محمد مجتہد نے بھی مولانا حیدر علی سندیلوی سے پڑھا تھا، اور اس طرح خاندانِ اجتہاد کو دو یا تین واسطوں سے استاذ الہند سے تلمذ حاصل تھا۔ غفران مآب نے اور ان کے بعد ان کے خاندان نے درس و تدریس کو ہمیشہ اپنا اصلی شغل بنائے رکھا، اس طرح خاندان اجتہاد کے توسط سے علامہ نظام الدین فرنگی محلی کے سلسلہ تلمذ کا دائرہ وسیع تر ہوتا چلا گیا۔

علامہ نظام الدین کے نامور تلامذہ کے تذکرہ میں خاندان فرنگی محل سے نسبی تعلق رکھنے والے، مولانا بحر العلوم، مولانا محمد حسن اور مولانا محمد ولی کا ذکر نہ کرنا بے انصافی ہوگی، لیکن چونکہ ان حضرات کو اگلے صفحات میں مستقل عنوانات کے تحت ذکر کیا جائے گا اس لئے سر دست یہاں انہیں قلم انداز کیا جاتا ہے۔

بیعت وارادت

خانوادۂ فرنگی محل 'در کفے جام شریعت، در سندان عشق' کی روایت پر عامل رہا ہے۔ یوں بھی علوم ظاہری کے ساتھ علوم باطنی کی تحصیل ماضی قریب تک شخصیت کی تکمیل کے لئے ضروری سمجھی جاتی رہی ہے۔ علامہ نظام الدین شریعت و طریقت کی اس جامعیت کی بہترین مثال تھے۔ چالیس برس کی عمر میں ایک الہامی اشارہ کے نتیجہ میں ملا صاحب نے اپنے بھتیجے اور دستِ راست مولانا احمد عبد الحق کے ساتھ حضرت سید عبد الرزاق بانسویؒ سے بیعت وارادت اور اصلاح باطن کا تعلق استوار فرمایا۔ اسے بیعت وارادت کی تاریخ کا ایک نادر واقعہ ہی کہا جائے گا کہ اپنے وقت کا فاضل یگانہ، استاذ الہند، جس کے علم و فضل کے آگے بڑے بڑے کج کلاہوں کی گردنیں خم ہو جاتی تھیں، جس کا جاری کردہ 'درس نظامی' صرف اس کے عہد میں نہیں صدیوں بعد تک علم و فضل کا اعلیٰ معیار بنا رہا اور جس کی معقولات کی ہمہ گیری اوج کمال تک پہونچی ہوئی تھی، ایک ناخواندہ، بلکہ امی محض کے آستانے پر جبین

عقیدت ختم کر دیتا ہے۔ چنانچہ یہ حیرت ذہنوں میں صرف خلش بن کر نہیں رہ سکی، دوسرے نہیں، خود ملا صاحب کے گھر والے، ملا صاحب کے چھوٹے بھائی ملا محمد رضا حیرت ہی نہیں بلکہ خاصی نارضگی کے ساتھ کہتے تھے: 'تعجب ہے کہ اس علم وعزت کے باوجود آپ نے ایک ناخواندہ جاہل فقیر کی بیعت کر لی اور خاندان کی عزت کا بھی کوئی پاس نہیں رکھا'۔

علامہ نظام الدین اپنے چھوٹے بھائی کی اس بات پر غصہ نہ ہوتے بلکہ صرف اتنا کہہ دیتے تھے:

'محمد رضا: جس معاملہ پر تم اعتراض کر رہے ہو وہ ایک ایسی کیفیت سے تعلق رکھتا ہے جس کا ادراک بغیر اس کیفیت کے حصول کے ممکن نہیں ہے، اگر الفاظ و بیان کے ذریعہ اس کا سمجھانا ممکن ہوتا تو میں ضرور تمہاری تشفی کر دیتا'۔

علامہ کے ان چند سادہ جملوں میں جو بات کہی گئی ہے وہ دراصل تصوف کی ماہیت کا خلاصہ ہے۔ تصوف سے متعلق ہزاروں نہیں لاکھوں صفحات کا مطالعہ کر لیا جائے لیکن اس کی حقیقت تک کسی مرشد کامل کی رہنمائی کے بغیر پہونچا ہی نہیں جا سکتا اور اسی لئے تصوف سے متعلق علوم کو بجا طور پر 'باطنی علوم' کہا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ انہیں ملا رضا پر جب حقیقت آشکار ہوئی تو یہ بھی کشاں کشاں اسی 'جاہل فقیر' کے آستانہ پر حاضر ہوئے اور روحانی کیفیات سے اس قدر مغلوب ہوئے کہ تارک الدنیا ہو گئے۔

علامہ نے سید صاحب کے حالات میں 'مناقب رزاقیہ' تحریر فرمائی اور غالباً یہ اولین کتاب ہے جو سید صاحب کے بارہ میں لکھی گئی ہے، اور ظاہر ہے کہ مستند ترین بھی ہے۔ مولانا ولی اللہ فرنگی محلی نے اسی کو بنیاد بناتے ہوئے 'عمدۃ الوسائل للنجاۃ' تالیف فرمائی ہے۔ علامہ نظام الدین کے شاگرد رشید مولانا کمال الدین سہالوی نے بھی 'مناقب رزاقیہ' ہی کے نام سے اپنے پیرومرشد سید عبدالرزاق بانسویؒ کے حالات مرتب کئے تھے لیکن یہ کتاب اب معدوم ہو چکی ہے۔ سید صاحب کے تفصیلی حالات کے مطالعہ کے لئے علامہ نظام الدین کی 'مناقب رزاقیہ' اور 'عمدۃ الوسائل' سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

تصانیف

مولانا صاحب کی تصانیف پانچ عنوانات کے تحت تقسیم کی جا سکتی ہیں: (۱) اصول فقہ (۲) کلام (۳) فلسفہ (۴) سیر وسوانح (۵) حدیث

۱- اصول فقہ:

الف: شرح مسلم الثبوت:

مولانا صاحب کے والد ماجد ملا قطب الدین شہید کے شاگرد ملا محب اللہ بہاری متوفی ۱۱۱۹ھ نے اصول فقہ میں ایک مختصر مگر نہایت جامع کتاب 'مسلم الثبوت' لکھی تھی جس کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں، آخری شارح مولانا عبدالحق خیرآبادی (ابن مولانا فضل حق خیرآبادی) تھے، اولین شارح ملا نظام الدین تھے، جنہوں نے ایک روایت کے مطابق ملا بہاری کی زندگی ہی میں شرح لکھی تھی اور ملا بہاری کو ارسال بھی کر دی تھی۔ اس وقت ملا صاحب کی یہ تصنیف مولانا آزاد لائبریری (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)، رضا لائبریری رامپور، برٹش میوزیم لندن اور بوہار کلکشن کلکتہ کے مخطوطات کے شعبوں میں موجود ہے۔

ب: شرح منار مسمی بہ الصبح الصادق:

اصول فقہ کا مشہور متن 'المنار' ہے، اس کی بھی متعدد شروحات لکھی گئیں ہیں۔ خود صاحب متن ابوالبرکات حافظ الدین نسفیؒ متوفی ۷۱۰ھ یا ۷۰۱ھ نے بھی اپنے متن کی شرح لکھی ہے۔ زیادہ مشہور شرح نورالانوار ہے جو درس نظامی میں داخل ہے اور جس کے مصنف ملا جیون امیٹھوی ہے۔ اسی متن کی شرح ملا نظام الدین نے بھی لکھی ہے۔ اس کا ایک مخطوطہ رضا لائبریری رامپور میں موجود ہے۔

ج: شرح تحریر الاصول:

اصولِ فقہ کا ایک متن 'تحریر الاصول' ہے، جس کے مصنف ہدایہ کے شارح (مصنف فتح القدیر) علامہ ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ ہیں، ملا صاحب نے اس کی بھی شرح لکھی تھی۔

مگر مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی کا بیان ہے کہ:

'تحریر الاصول کی شرح آپ (بحر العلوم) کے والد ماجد نے لکھنا شروع کی تھی، آپ نے تکمیل فرمائی' ﴿۱۰﴾۔

بہر حال اس وقت یہ کتاب مفقود الخبر ہے۔

۲- کلام:

فن کلام میں بھی ملا صاحب کی تین تصانیف ہیں:

الف: شرح عقائد جلالی کا حاشیہ:

یہ حاشیہ طبع ہو چکا ہے اور اس کا ایک مخطوطہ رضا لائبریری رامپور میں موجود ہے، صفحات کی تعداد (۱۹۶) ہے۔

ب: حواشی قدیمہ جلالیہ پر حاشیہ:

اس کا ایک مخطوطہ بھی رضا لائبریری رامپور میں موجود ہے جس کے صفحات کی تعداد (۳۰۸) ہے۔

ج: رسالہ مبارزیہ فی العقائد الاسلامیہ کی شرح:

اس شرح کا سراغ بھی رضا لائبریری میں ملا ہے جو بشکل مخطوطہ ہے، اس کے صفحات کی تعداد (۶۹۸) ہے۔

۳- فلسفہ:

الف: علامہ صدر الدین شیرازی کی شرح ہدایۃ الحکمۃ معروف بہ 'صدرا' کا حاشیہ

یہ حاشیہ صدرا، اصل کتاب کے ساتھ (دیگر حواشی کے ساتھ) کئی مرتبہ طبع ہو چکا ہے، اس کے مخطوطے بھی پائے جاتے ہیں، دو نسخے رضا لائبریری میں ہیں جن کے صفحات (۳۶۸) اور (۲۴۸) ہیں۔ مولانا آزاد لائبریری (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) کے مولانا عبد الحیٔ کلکشن میں بھی اس کا مخطوطہ موجود ہے اور ایک مخطوطہ اسی لائبریری کے حبیب گنج کلکشن میں ایسا پایا جاتا ہے جس کی کتابت ملا صاحب کی حیات میں ہوئی تھی۔

ب: حاشیہ شمس بازغہ:

ملا محمود جونپوری کی مشہور تصنیف 'الشمّس البازغۃ' پر ملا صاحب کا حاشیہ، اصل کتاب کے حاشیہ پر دیگر حواشی کے ساتھ طبع ہو چکا ہے۔ اس کا کوئی نسخہ ابھی تک میرے علم میں نہیں آیا ہے۔

فن سِیَر:

مناقب رزاقیہ:

اس فن میں ملا صاحب کی ایک ہی تصنیف ہے جو ان کے مرشد حضرت شاہ عبد الرزاق بانسویؒ کے حالات میں ہے۔ یہ کئی بار طبع ہو چکی ہے اور اس کے مخطوطے بھی پائے جاتے ہیں لیکن ملا صاحب کے قلم کا لکھا ہوا مسودہ دستیاب نہیں ہے۔ اس کتاب کی شرح ملا صاحب کے پوتے مولانا عبد الاعلیٰ بن بحر العلوم نے 'محاسن رزاقیہ' کے نام سے لکھی ہے۔ اس کے بھی مخطوطے دستیاب ہیں اصل اور شرح دونوں فارسی میں ہیں۔ اصل کتاب کا اردو ترجمہ بھی ایک بار شائع ہوا ہے۔

فن حدیث:

اس فن میں بھی ملا صاحب کی ایک ہی تصنیف ہے جو مسنون طریقہ وضو کے بیان میں ہے۔ اس کتاب میں مولانا صاحب نے وہ احادیث صحیحہ نقل کی ہیں جو حضور انور ﷺ کے طریقہ وضو کے بیان میں وارد ہوئی ہیں۔

عائلی زندگی اور وفات:

علامہ نظام الدین محمد، تذکرہ نویسوں کے تخمینے کے مطابق ۲۵ سال کی عمر میں اور بعض قوی قرائن کے پیش نظر اکیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو کر فرنگی محل واپس آئے اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ یہی وقت ہے جب ملا صاحب کی متاہلانہ زندگی کا بھی آغاز ہوا۔ ملا صاحب کی شادی (بالضبط) کس عمر میں ہوئی اس کی تفصیل اب دستیاب نہیں ہے، بس اتنا ہی معلوم ہے کہ ملا صاحب کا عقد ان کے آبائی وطن قصبہ سہالی میں چودھری محمد آصف کی بیٹی سے ہوا تھا جو مولانا قطب الدین کے بنی اعمام میں تھے اور ان

کے ساتھ ہی شہید ہوئے تھے۔

ان اہلیہ سے ملا صاحب کے یہاں ایک اولاد ہوئی جو صغرسنی میں ہی اللہ کو پیاری ہوگئی۔ اواخر عمر (تخمیناً ۱۱۴۱-۱۱۴۰ھ) میں ایک اشارۂ غیبی کے مطابق آپ نے دوسرا عقد قصبہ سترکھ میں شیخ محمد کریم کی صاحبزادی سے فرمایا جن سے اللہ تعالی نے آپ کو ایک بیٹا (بحر العلوم) اور ایک بیٹی عنایت فرمائے۔

علامہ نظام الدین کی وفات ۱۱۶۱ھ کے وقت آپ کے صاحبزادے کی عمر اٹھارہ سال اور صاحبزادی کی عمر تیرہ سال تھی۔

مولانا ولی اللہ فرنگی محلی عمدۃ الوسائل میں تحریر فرماتے ہیں:

'ملا عبد العلی (بحر العلوم) سترہ سال کی عمر میں تحصیل علوم ظاہری سے فارغ ہوگئے اور اسی سال ملا نظام الدین نے بیٹے کا عقد قصبہ کاکوری ضلع لکھنؤ میں کردیا۔ بیٹے کے نکاح کے چھ ماہ بعد ملا صاحب نے سفر آخرت اختیار فرمایا اور تیرہ سالہ غیر شادی شدہ بیٹی چھوڑی۔

ملا صاحب کی بیٹی کا عقد سہالی میں ملا صاحب کے بھانجے شیخ حفیظ ابن شیخ سیف الدین کے ساتھ ہوا، جو صاحبِ اولاد ہوئیں۔ صاحبزادے کی تعلیم و تربیت کی طرف ملا صاحب نے بذات خود توجہ فرمائی، خود ہی بیٹے کو پڑھاتے بھی تھے اور اہل اللہ سے بیٹے کے لئے دعا کے طلبگار بھی ہوا کرتے تھے۔

ملا صاحب کا ذریعہ معاش کیا تھا؟ اس سلسلہ میں ایک حوالہ تو 'حویلی فرنگی' کے اس فرمان میں ملتا ہے جو اورنگ زیب نے ۱۱۰۵ھ میں جاری کیا تھا اور جس میں حویلی فرنگی کے ساتھ متعلقات حویلی کا بھی ذکر ہے۔ یہ 'متعلقات حویلی' کرایہ داروں کے پاس تھے جنہیں ملا صاحب کے بھتیجے مولانا احمد عبد الحق نے زیر کیا تھا اور ان سے کرایہ داری کے سرخط (معاہدے) لکھوا لئے تھے۔ اس مد سے جو آمدنی بھی ہوتی ہو وہ مولانا قطب شہید کی اولاد میں تقسیم ہوتی ہوگی۔ اورنگ زیب ہی کے ایک دوسرے فرمان کی رو سے حکومت وقت نے اولادِ مولانا قطب شہید کے لئے دیوی ضلع بارہ بنکی میں ایک سو بارہ بیگھہ قابل کاشت آراضی وقف کی تھی لیکن اس کی پیداوار کے حصول میں علاقائی زمیندار رکاوٹ

ڈالتے رہتے تھے۔ اورنگ زیب کے بیٹے محمد معظم شاہ نے بھی اپنے عہد حکومت میں 'ملا نظام الدین وغیرہ' کے لئے دوروپیہ یومیہ گزارہ مقرر کیا تھا۔

ملا صاحب کے مذکورہ ذرائع معاش فرخ سیر کے زمانہ تک بدستور قائم رہے البتہ اس کے بعد محمد شاہ کے عہد میں صوبہ اودھ نواب برہان الملک کے زیر اقتدار آ گیا اور اس نے تمام معافیاں، جاگیریں اور وظائف یک قلم ضبط کر لئے۔ اس تبدیلی کا اثر ملا صاحب کی معیشت پر بھی ظاہر ہوا چنانچہ ان کی زندگی کے آخر ایام نہایت عسرت اور تنگدستی میں بسر ہوئے۔

مولانا ولی اللہ فرنگی محلی کا کہنا ہے:

'انتہائی تنگدستی کی زندگی گزارتے تھے، عموماً تین تین روز تک گھر میں کھانا نہیں پکتا تھا، صرف ایک مٹھی چنے پر بسر ہوتی تھی، بلکہ ایک مٹھی چنے بھی میسر نہ ہوتے تھے'۔

ملا صاحب اپنے علم و فضل اور محبوبیت و مقبولیت کے باوجود نہایت سادہ اور بے تکلف زندگی گزارتے تھے۔ ان کے مزاج میں اسقدر بردباری تھی کہ خاندانی رعایا اور 'متعلقات فرنگی محل' میں آباد کرایہ داروں تک سے حق و استحقاق کے معاملے میں بھی سخت رویہ اختیار کرنے سے انکار کرتے رہے، یہاں تک کہ برادرزادہ مولانا عبدالحق نے کرایہ داروں کے معاملات اپنے ہاتھ میں لے کر ان کی سرکشی کا انسداد کیا۔

رعایا اور کرایہ داروں کا معاملہ تو رہا ایک طرف، علامہ نظام الدین اپنے ہم چشموں اور معاصروں کے علمی اعتراضات پر بھی سکوت اختیار کر لیتے تھے خواہ اس میں آپ کی سبکی ہی کیوں نہ ہو رہی ہو، فرماتے تھے کہ: 'مجھے غلطی پر قرار دے کر اگر کسی کا اعتبار اور مرتبہ علمی بڑھتا ہے تو میں غلطی قبول کرنے پر تیار ہوں'۔

ملا صاحب کے تواضع اور فروتنی کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہوگی کہ انہوں نے اپنے وضع کردہ 'درس نظامی' میں اپنی یا اپنے والد ماجد کی کوئی تصنیف نہیں رکھی حالانکہ ان دونوں حضرات کی تصانیف ان کے معاصر اور متاخر علماء کی شہادت کے مطابق نہایت بلند پایہ اور اعلیٰ معیار کی حامل ہیں۔

استاذ الہند علامہ نظام الدین کی علمی، تدریسی اور تصنیفی سرگرمیاں اس بھرپور انداز

سے جاری تھیں کہ کسی کو خیال بھی نہ ہوتا ہوگا کہ آپ سنگ مثانہ (Galbladder Stone) کی اذیت ناک بیماری میں مبتلا ہیں اور ہمیشہ سے اس کے مریض ہیں۔ رسالہ قطبیہ مخطوطہ کی صراحت کے مطابق:

علامہ صاحب 'سنگ مثانہ کا مرض اتنا شدید تھا کہ کبھی بھی سکون اور فراغت کے ساتھ پیشاب نہیں کر پاتے تھے'۔ جب کی عمر ستر سے متجاوز ہوگئی تو: 'ناتوانی اس حد تک بڑھی کہ پیٹھ جھک گئی'۔ (بحوالہ عمدۃ الوسائل)

وفات سے چھ ماہ قبل اپنے اکلوتے فرزند ملا عبدالعلی کے نکاح سے فراغت پا چکے تھے، ایک دن اپنے منجھلے بھائی ملا محمد سعید کی اہلیہ سے فرمایا: 'اگر اس سال گھر میں کسی کی موت واقع ہوجائے تو آپ لوگ اسے کسی کی منحوسیت سے تعبیر نہ کریں، جو کچھ ہوتا ہے حکم الٰہی سے ہوتا ہے۔ مجھے غلطی پر قرار دے کر اگر کسی کا اعتبار اور مرتبہ علمی بڑھتا ہے تو میں غلطی قبول کرنے پر تیار ہوں'۔ (بحوالہ عمدۃ الوسائل)

ملا صاحب اپنے مرض وفات کے دوران گھر کے اندر کوٹھے پر مقیم رہے، عمدۃ الوسائل کے مصنف نے اس زمانہ کی جو تفصیل بیان کی ہے اسکا خلاصہ یوں ہے:۔

بڑی تعداد میں لوگ عیادت کے لئے آتے تھے، گھر میں بار بار پردہ کرانے سے خواتین کو زحمت ہوتی تھی، مولانا احمد عبدالحق نے عرض کیا کہ دیوان خانے میں آرام فرمائیں تو بہتر ہوگا، ملا صاحب نے کوئی جواب نہ دیا، ایک دن شاہ عبدالنبی قدوائی (ایک شیخ طریقت) عیادت کے لئے آئے، مولانا عبدالحق نے ان سے کہا کہ آپ ملا صاحب سے فرمایئے کہ باہر کے حصہ میں تشریف لے آئیں تو بہتر ہوگا۔ جس وقت شاہ صاحب استاذ الہند کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ استنجا فرما رہے تھے، اس سے فارغ ہوکر قبل اس کے کہ شاہ صاحب کچھ کہیں ملا صاحب نے فرمایا: 'میاں عبدالنبی! ہر روز بینم تنگ تر سوراخ ایں غربالہا (ان چھلنیوں کے سوراخوں کو روز بروز تنگ سے تنگ تر ہوتے دیکھ رہا ہوں) اس کے بعد فرمایا: میاں عبدالحق کی جو مرضی ہے وہی کیا جائے، اس کے بعد اندرون خانہ سے دیوان خانے میں منتقل ہوگئے۔

بالآخر تعلیم و تعلم، تصنیف و تالیف اور ارشاد و ہدایت کا یہ تاجدار ۹/ جمادی الاولی ۱۱۶۱ھ کو عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رخصت ہو گئے۔ میاں عبدالباسط امیٹھوی نے استاذ الہند کی تاریخ وفات 'ملِک بود و بہ یک حرکت ملک شد' سے نکالی ہے۔

(۲) ملک العلماء مولانا عبدالعلی بحرالعلوم ابن مولانا محمد نظام الدین استاذ الہند

ولادت: ۱۱۴۲ھ مطابق ۱۷۲۹ء وفات: ۱۲۲۵ھ مطابق ۱۸۱۰ء

استاذ الہند کی زوجہ ثانی کے بطن سے ولادت ہوئی۔ تمام کتب درسیہ والد سے پڑھیں اور ۱۸/ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے، اسی سال استاذ الہند نے آپ کا نکاح قصبہ کاکوری میں کر دیا اور چھ مہینے بعد انکی وفات ہوگئی۔

مولانا عبدالعلی اگرچہ نہایت ذی استعداد طالب علم تھے، اور تمام درسی کتب انہماک سے ختم کی تھیں لیکن شروع شروع میں طبیعت میں لاپرواہی تھی اور آبائی مشاغل (تدریس و تصنیف و تحقیق) سے دلچسپی نہیں تھی، لیکن ایک واقعہ ایسا ہوا جس نے مولانا عبدالعلی کی زندگی کا رخ بدل دیا اور انہیں بحرالعلوم بننے پر مجبور کر دیا۔

واقعہ کی تفصیل مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی نے یہ بیان کی ہے:

'میں نے اپنے اکابر سے سنا ہے کہ چونکہ استاذ الہند (علامہ نظام الدین) کے یہی ایک صاحبزادے تھے اور آخر عمر میں پیدا ہوئے تھے، اس لیے محبت اور پیار میں زائد بسر ہوئی، والد ماجد کے انتقال کے وقت گو کتب درسیہ کی تحصیل سے فارغ ہو چکے تھے، مگر علم کی جانب رغبت نہ تھی، اس زمانے میں دستور تھا کہ فاتحہ الفراغ پڑھنے والے شاہ پیر محمد صاحبؒ کے عرس کے موقع پر حاضر ہوتے، اور اس عرس میں اکابر علمائے وقت موجود ہوتے، ان کے سامنے دستار بندی ہوتی۔ استاذ الہند کی زندگی میں استاذ الہند ہی اس مجلس کے صدر و مسند نشین ہوتے، جس سال حضرت استاذ الہند کی وفات ہوئی اسی سال آپ کی وفات کے بعد جب یہ موقعہ دستار بندی کا آیا تو حضرت بحرالعلوم بھی معمول کے مطابق وہاں گئے، مگر صرف تماشا دیکھنے کی غرض سے، چنانچہ بٹیروں کی کابک ہاتھ میں تھی۔ جس وقت دستار بندی کی رسم ادا ہونے لگی تو کسی نے زور سے ان کو دھکا دیا اور کہا کہ 'کہاں

بڑھے چلے جاتے ہو' علامہ بحر العلوم نے جواب دیا کہ 'مجھ کو نہیں جانتے، میں علامہ نظام الدین کا لڑکا ہوں' اس شخص نے کہا کہ 'سبحان اللہ! اگر تم استاذ الہند کے بیٹے ہوتے تو مسند پر صدر میں ہوتے یا یہاں بٹیروں کی کابک ہاتھ میں لیے پھر رہے ہوتے'۔ تیر نشانہ پر لگا اور بحر العلوم کی حمیت جوش میں آگئی، کابک وہیں توڑ ڈالی، بٹیریں اڑا دیں، گھر آکر کتاب بغل میں لی اور والد بزرگوار کے مزار پر حاضر ہو کر دیر تک گریاں رہے۔ (تذکرہ علمائے فرنگی محل: ص ۱۳۸)

مولانا بحر العلوم جب اپنی سابقہ لاپروائیوں پر تنبیہ ہو کر آبائی شغل کی طرف متوجہ ہوئے تو ان کے استاذ ثانی ملا کمال الدین سہالوی نے ان کے سن وسال کے لحاظ سے ان کی عظیم لیاقت کی داد دی، بلکہ دوسرے مؤرخین بھی جنھوں نے علامہ بحر العلوم کو دیکھا نہ تھا، صرف ان کا زمانہ پایا تھا، یہ کہتے دکھائی دیتے ہیں:

'وہ اپنے والد ماجد کے سوا اس جماعت (مذکور گروہ علماء) میں سے کسی کے شاگرد نہ تھے انھوں نے شرح سلم کے سلسلے میں مولوی حمد اللہ سندیلوی پر بہت سے اعتراضات کیے ہیں، وہ علامہ کمال الدین کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے، کہتے ہیں جو تبحر ان میں تھا وہ ان کے والد میں بھی نہ تھا'۔

شاہجہاں پور کا سفر

مولانا بحر العلوم اپنے والد ماجد سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد درس وتدریس میں دو تین سال کے بعد مشغول ہوئے جب کہ ان کے نامور والد کی وفات ہو چکی تھی۔ تقریباً دس سال تک والد ماجد کی مسند درس کو زینت بخشنے کے بعد ایک شیعہ سنی تنازعہ کی وجہ سے انہیں روہیلہ سردار، حافظ رحمت خاں کے پاس شاہجہانپور میں پناہ لینی پڑی۔ حافظ صاحب نے ملا بحر العلوم کا شایان استقبال کیا اور ان کی خاطر مدارات میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ ملا صاحب یہاں کم وبیش بیس سال تک تصنیف وتالیف اور درس وتدریس میں مصروف رہے۔ شاہجہانپور میں ان کے تلامذہ کے حلقے میں فرزندان حافظ رحمت خاں شہید بھی تھے جن میں نواب محبت خاں قابل ذکر ہیں، جو دوسرے وجوہ سے تو تاریخی بن چکے ہیں،

لیکن ان کی علمیت اور بحر العلوم سے تلمذ پر مؤرخین کی خصوصی نظر نہیں پڑی، نواب محبت خاں کے پیر طریقت حضرت علی اکبر مودودیؒ کے ملفوظ میں (جوان کے خلیفہ حسن مودودی لکھنوی نے ترتیب دیا ہے اور جس کا نام لطائف اکبری ہے) ایک واقعہ درج ہے:

خواجہ سید علی اکبر مودودیؒ نے اثنائے گفتگو میں علوم منقول وفنون معقول کے جامع نواب محبت خاں دامت ثروتہ سے علامہ نظام الدین لکھنوی قدس سرہ کے پوتے مولوی محمد نافع بن مولوی عبد العلی (بحر العلوم) کے بارے میں سفارش کرتے ہوئے فرمایا۔ جس طرح تمہارے والد ماجد حافظ الملک شہید حافظ رحمت خاںؒ کے حقوق ان کے (مولوی محمد نافع کے) والد ماجد (ملا بحر العلوم سلمہ اللہ) پر بہت ہیں اسی طرح ان کے (بحر العلوم کے حقوق بھی تم پر بہت ہیں، بلکہ ان سے زیادہ اور بلند درجے کے حقوق ہیں، اس لیے کہ علامہ بحر العلوم کو تم لوگوں کے ذریعہ جو فوائد حاصل ہوئے وہ دنیاوی ہیں اور ان کے ذریعہ تم سب کو جو فوائد حاصل ہوئے وہ دینی ہیں، یعنی وہ فوائد جو تدریس و دینی تعلیم کے ذریعہ استاد سے تم کو پہنچے اور اس دینی تعلیم سے جو اچھائیاں اور نیکیاں تم کو نصیب ہوئیں اور ان نیکیوں اور اچھائیوں پر اللہ تعالیٰ سے جو اجر و ثواب تم کو پہنچے گا وہ سب ان ہی کے سبب سے (استاد کے سبب سے) ہے، اس بناء پر استاد کے حقوق بلند تر اور قوی تر ہیں، بہ نسبت دنیاوی فوائد کے، اگر چہ تم لوگوں کی طرف سے ملا بحر العلوم کی جو خدمت ہوئی، اس کے تحت بھی فوائد دینی واخروی آتے ہیں، کیونکہ امراء جو خدمتیں علماء کی کرتے ہیں وہ علماء وفضلاء کی پریشان حالی رفع کرنے کا سبب ہوتے ہیں اور (معاش کی فکر سے) یکسو ہونے کے نتیجے میں یہ علماء دینی باتوں کو عامۃ الناس میں پھیلانے میں منہمک ہو جاتے ہیں، پھر بھی یہ حقیقت ہے کہ لینے والے کے حقوق دینے والے پر اس سے زیادہ ہوتے ہیں جتنے دینے والے کے حقوق لینے والے پر ہوتے ہیں۔

اس واقعہ سے نواب محبت خاں محبت کے بارے میں، جو محض اردو شاعر اور رئیس زادے کی حیثیت سے تاریخ میں مذکور ہیں، یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ فارغ التحصیل عالم 'جامع علوم منقول وفنون معقول' تھے اور ان کے استاد علامہ نظام الدین فرنگی محلی کے نامور فرزند علامہ بحر العلوم تھے۔

رامپور اور بنگال کا سفر

علامہ بحرالعلوم شاہجہاں پور میں غلغلۂ درس بلند کرنے کے بعد نواب فیض اللہ خاں کی استدعاء پر ریاست رام پور تشریف لے گئے، جہاں چار برس تک درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا، نواب رام پور بحرالعلوم اور ان کے شاگردوں کے پوری طرح کفیل رہے، لیکن یہاں شاگردوں کی تعداد بہت بڑھ گئی اور ایسی کثرت ہوئی کہ اس وقت کی ریاست کے بجٹ پر ان سب کی کفالت بار بننے لگی، اور ریاست کی طرف سے محدود رقم مقرر ہونے کی بات آنے پر مولانا بحرالعلوم دل برداشتہ ہوئے، اس کی اطلاع بوہار ضلع بردوان کے علم پرور رئیس منشی صدرالدین (میر منشی گورنر جنرل بہادر) کو ہوئی، انھوں نے درخواست کر کے اور انگریزی اثرات سے کام لے کر ریاست رامپور کو مجبور کردیا کہ وہ علامہ بحرالعلوم کو مدرسہ منشی صدرالدین، میں درس وتدریس کی رونق بڑھانے پر بہر قیمت آمادہ کردے، علامہ بحرالعلوم بوہار تشریف لے گئے، مدرسہ منشی صدرالدین میں علامہ بحرالعلوم کے طلباء کا کس درجہ پاس ولحاظ کیا جاتا تھا، اس کے سلسلہ میں ایک اشارہ لکھنؤ میں مدفون مشہور وجودی بزرگ صوفی شاہ عبدالرحمٰن (متوفی ۱۲۴۵ھ) کے تذکرہ میں ملتا ہے۔

صوفی صاحب کے تحصیل علم کے ذکر کے دوران مرقوم ہے:

'مختلف اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد (صوفی شاہ عبدالرحمٰنؒ نے) مولانا عبدالعلی محمد (یعنی بحرالعلوم) قدس سرہ کے علم وتبحر کا شہرہ سنا اور ان کی خدمت میں بنگالہ روانہ ہوگئے۔ مولانا بحرالعلوم اس زمانے میں کلکتہ کے قریب قصبہ بوہار میں میر منشی صدرالدین کے مدرسہ میں درس وتدریس کو رونق بخش رہے تھے، صوفی صاحبؒ صفر ۱۱۹۹ھ مطابق دسمبر ۱۷۸۴ء میں مولانا عبدالعلی محمد (بحرالعلوم) قدس سرہ کی خدمت بابرکت میں پہنچے اور ایک سال قیام کرکے مسلم الثبوت (اصول فقہ) حاشیہ قدیمہ (کلام) اور بیضاوی (تفسیر) کا درس لیا، یہی آخری کتابیں صوفی صاحبؒ کی رہ گئی تھیں، ان کو پڑھ کر فارغ التحصیل ہوگئے۔ مولانا بحرالعلوم نے چاہا کہ جس طرح دوسرے فارغ التحصیل طلباء کو فراغت کی سند ایک خاص اہتمام سے دی جاتی ہے، صوفی صاحبؒ کو بھی دی جائے،

صوفی صاحبؒ کا بیان ہے کہ میں نے انکار کردیا، وجہ یہ تھی کہ مدرسہ منشی صدرالدین سے جس کو بھی سند فراغت دی جاتی اور دستار بندی کی جاتی اس کو منشی صدرالدین ایک خلعت اور دوسو روپے نقد دیتے تھے نیز انگریزی سرکار میں اس فارغ التحصیل کو نوکر بھی کرادیتے تھے، میں نے کہا کہ میں نے اللہ کے لیے تحصیل علم کی ہے، مال اور خلعت کی لالچ میں یا نوکری کی ہوس میں نہیں کی ہے تو رسمی دستار بندی کی مجھے کیا حاجت رہ جاتی ہے'۔

مدراس کا سفر

بہرحال اس شان وشوکت کے ساتھ مدرسہ منشی صدرالدین میں علامہ بحرالعلوم درس وتدریس کا فرض ادا کرتے رہے، اور بالآخر وہاں تلامذہ کی کثرت اور دور دور سے طالبین علم کی آمد منشی صدرالدین کے ذرائع آمدنی کے لیے بھی وجہ آزمائش بن گئی۔ اس صورت حال کی شہرت ہوتے ہی نظام حیدرآباد، سلطان ٹیپو شہید اور نواب ارکاٹ (مدراس) تینوں نے بیک وقت مولانا بحرالعلوم کی خدمت میں اپنے اپنے یہاں قدم رنجہ فرمانے کی درخواستیں بھیجیں، مولانا نے نواب ارکاٹ کی عرضداشت کو شرف قبولیت اس لیے بخشا کہ وہ اصلاً قصبہ گوپامئو (ضلع ہردوئی، اودھ) کے رہنے والے تھے، اور ان کو حق جوار حاصل تھا۔ مولانا کے اس فیصلے پر نواب والا جاہ آرکاٹ (مدراس) کو کتنی مسرت ہوئی اور ہم چشموں میں انھوں نے خود کو کتنا سربلند اور سرخرو محسوس کیا، اس کا اندازہ اس انداز پذیرائی سے کیا جاسکتا ہے جو بحرالعلوم کے وہاں پہنچنے پر نواب والا جاہ نے اختیار کیا۔

'مدراس پہنچے تو بیرون شہر آکر علماء واعیان دولت نے استقبال کیا، آپ (علامہ بحرالعلوم) پالکی پر سوار اور تمام اعیانِ دولت پاپیادہ ہمراہ، اس شان سے نواب کے دولت خانے پر پہنچے، نواب نے دروازے پر مع شاہزادوں کے استقبال کیا، آپ نے پالکی سے اترنے کا ارادہ فرمایا، نواب نے کسی طرح اترنے نہ دیا اور خود پالکی کو کاندھا دے کر صدر مقام تک لے گیا، مولانا کو صدر میں بٹھایا اور خود مؤدبانہ سامنے بیٹھا'۔ (تذکرہ علمائے فرنگی محل از مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی: ص ۱۳۹)

یہ تو نواب کے اندازِ استقبال کی شان تھی، جو بیان ہوئی، اور بحر العلوم کی تشریف آوری کی شان کیا تھی؟ اس کے بارے میں صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں:

'فسافر إليها مع ست مأة نفس من رجال العلم' یعنی بردوان ضلع کے قصبہ بوہار سے جب مولانا مدراس کے لیے آمادۂ سفر ہوئے تو ان کے ساتھ طالبان علم کا ایک بڑا گروہ تھا، جس کے افراد کی تعداد چھ سو تھی۔ مولانا بحر العلوم مدراس پہنچے تو ان کے ہمراہ چھ سو طلبہ پر مشتمل پورا ایک جامعہ (یونیورسٹی) تھا۔ عالی ظرف نواب ارکاٹ نے جس شان انکسار سے بحر العلوم اور ان کے چھ سو تلامذہ کا خیر مقدم کیا، ویسی ہی عالی حوصلگی سے اس نے بحر العلوم کے لیے ایک الگ مدرسہ تعمیر کرایا، بحر العلوم کے لیے گراں قدر مشاہرہ، ان کے دامادوں علامہ علاء الدین فرنگی محلی اور مولانا ازہار الحق فرنگی محلی کے لیے جداگانہ وظیفہ تدریس اور جتنے طلبہ ہمراہ تھے سب کے لیے وظیفہ تعلیم مقرر کر دیا۔

ایک جدید تصنیف 'خانوادہ قاضی بدر الدولہ' کے مصنف افضل العلماء محمد یوسف کوکن عمری (مدراس یونیورسٹی) نے قدیم دستاویزوں، تاریخی تحریروں اور سرکاری ریکارڈوں سے نواب والا جاہ محمد علی والی ارکاٹ (کرناٹک) کی دعوت پر مولانا عبد العلی بحر العلوم فرنگی محلی کے مدراس پہنچنے کی تاریخ بیان کرتے ہوئے ایک اہم خط بھی نقل کیا ہے اور بحر العلوم کے مشاہرے کا بھی ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

'نواب محمد علی والا جاہ نے اپنے مدرسہ کلاں کی صدر مدرسی کے لیے مولانا عبد العلی بحر العلوم کو دعوت بھیجی، وہ ۲۴/ ذی الحجہ ۱۲۰۵ھ کو بہار (بوہار ضلع بردوان) سے مدراس پہنچے، ان کے ساتھ ان کے فرزند مولوی عبد الرب، مولوی امام بخش اور دوسرے بہت سے لوگ تھے، مولانا کی تنخواہ ایک ہزار روپیہ مقرر ہوئی۔ مدراس اور آس پاس کے طلبہ ان کی خدمت میں بیٹھ کر استفادہ کرنے لگے'۔

مولوی غوث (مولوی محمد غوث شرف الملک بہادر) نے بھی تبرکاً کچھ پڑھنے کا ارادہ کیا، مگر وہ کسی وجہ سے ان کی درس گاہ میں شریک ہونے سے متردد تھے، آخر انھوں نے اپنے دادا قاضی نظام الدین احمد صغیر کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق استخارہ کیا، اس

رات خواب دیکھا، تو انہیں دلی مسرت ہوئی، وہ خود مولانا عبد العلی بحر العلوم سے مل کر اپنا خواب بیان کرنا چاہتے تھے لیکن حجاب دامنگیر ہوگیا، انھوں نے اپنے چچیرے چچا مولوی غلام عبد القادر فرزند مولوی محمد صادق فرزند محمد عبد الرشید شہید کے نام حسب ذیل خط لکھا:-

قبلہ من! خدا کی حمد اور اس کا شکر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اجازت دادہ درود کی برکت سے رات عجیب نعمت عظمیٰ سے فائز ہوا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ میں نے تہجد کی نماز کے بعد اس طریقے سے استخارہ کیا جو کہ مجھ کو دادا مرحوم سے (خدا ان کی خواب گاہ کو ٹھنڈک سے بھر دے) ملا تھا، اور نیت یہ کی تھی کہ حضرت مولانا (بحر العلوم سے) (خدا ان کی برکتوں سے مجھے فائدہ پہنچائے) استفادہ کرنا چاہیے یا نہیں، اور ان سے مجھے کوئی فیض حاصل ہوگا یا نہیں، دیر تک نیند نہیں آئی اور آخر جب مجھ پر اونگھ غالب آگئی تو اپنے آپ کو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں پایا، آنحضرت ﷺ کو مولانا مدظلہ سے زیادہ مشابہ پا رہا تھا، حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیقؓ آنحضرت ﷺ کے اشارہ سے ایک قرابہ چرمی یعنی ڈولچی زمزم کے پانی سے بھر کر لے آئے، اور اپنے دست مبارک سے مجھے پلانا شروع کیا، پینے کے درمیان میں ہر چند اشارہ کرتا رہا کہ بس کریں، مگر انھوں نے اپنا ہاتھ نہیں کھینچا، یہاں تک کہ میرا پیٹ حلق تک بھر آیا، اس وقت آبِ زمزم کی بدولت علم سے بھرپور ہونے کی حدیث یاد آئی اور میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، اسی حالت میں جب کہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے بیدار ہوا، زمزم کے پانی کی لذت ابھی تک منھ میں تھی، الحمد للہ علی ذالک وصلی اللہ علیہ نبینا وآلہ واصحابہ وتابعیہ الی یوم الدین، میں چاہتا تھا کہ خود ہی پہنچ کر عرض کروں، لیکن چونکہ امیر مرحوم کی فاتحہ کے لیے امیر باغ گیا ہوا تھا، اس لیے آنے کی سکت نہ رہی، حضرت مولانا کی خدمت میں پہنچ کر اس خواب کا بیان کرنا ضروری ہے لیکن ظاہری ارتباط نہ ہونے کی بنا پر حجاب محسوس ہو رہا ہے، اسی لیے آنجناب کو تکلیف دی جاتی ہے کہ مولانا وجیہ الدین سراپا اشتیاق سے یہ ماجرا بیان کرکے یا کسی اور صورت سے جس کو آپ مناسب سمجھتے ہوں، نواب صاحب کی اجازت لے کر آج ہی مجھے مولانا کی خدمت میں لے چلیں، یا آپ خود تکلیف اٹھا کر یہاں تشریف لے آئیں

اور مولانا کی خدمت میں لے جائیں، اتنا قلق اور اشتیاق مجھ پر غالب ہے کہ کل تک کے لیے انتظار کرنا عین قیامت ہے، اس سے زیادہ کیا عرض کیا جائے۔

اس خط پر لکھنے کی تاریخ نہیں ہے، مگر خط میں امیر مرحوم کی فاتحہ کا ذکر ہے، ان سے مراد نواب امیر الامراء مرحوم ہیں جو نواب محمد علی والا جاہ کے دوسرے فرزند تھے، اور جن کا ۲۴/محرم ۱۲۰۳ھ کو انتقال ہوا تھا، چونکہ مولانا عبدالعلی ۲۴/ ذی الحجہ ۱۲۰۵ھ کو مدراس تشریف لائے تھے، اس لیے قیاس کہتا ہے کہ ۲۴/محرم ۱۲۰۶ھ کا واقعہ ہے'۔ (خانوادہ قاضی بدر الدولہ، ص: ۱۴۹-۱۵۱، مطبوعہ ۱۹۶۳ء)

نواب محمد علی والا جاہ کا انتقال ۱۲۱۰ھ مطابق ۱۷۹۵ء کو ہوا، اور ان کے بڑے بیٹے عمدۃ الامراء جانشین ہوئے جنہوں نے چھ سال تک حکمرانی کی، نواب عمدۃ الامراء کا انتقال ۱۲۱۶ھ میں ہوا۔ سلطان ٹیپو سے ساز باز کے الزام میں انگریزوں نے ولی عہد نواب تاج الامراء علی حسین خاں بہادر پر زور ڈالا کہ وہ حکومت سے دست بردار ہو جائیں اور گرانقدر وظیفے پر قناعت کریں۔ تاج الامراء کے انکار پر انگریزوں نے نواب والا جاہ کے مرحوم بیٹے امیر الامراء کے فرزند عبدالعلی خاں کو گدی نشین کرنا چاہا تو ملا بحر العلوم اور دوسرے علماء نے فتویٰ جاری کیا کہ نواب عمدۃ الامراء کے حقیقی وارث تاج الامراء کے ہوتے، کسی دوسرے کو گدی نشین کرنا شرعاً اور قانوناً ناجائز ہے، مگر انگریزوں نے زور زبردستی کر کے عبدالعلی خاں (فرزند نواب امیر الامراء مرحوم) کو گدی نشین کر ہی دیا، اختیارات لے لیے اور تنخواہ جاری کر دی، عبدالعلی خاں نواب عظیم الدولہ کے لقب سے تخت نشین ہوئے اور مولوی محمد غوث ان کے دیوان اور وزیر اعظم مقرر ہوئے، اور شرف الملک کے لقب سے سرفراز ہوئے، ریاست کے ملازمین بے روزگار ہو گئے، جنھوں نے انگریزوں کے حکمراں ادارہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو درخواستیں گزارنا شروع کیں، مولوی محمد غوث شرف الملک ان پر سفارشیں کرتے تھے، اکثر کی درخواستیں منظور ہو گئیں، یہ سب تفصیل خانوادہ قاضی بدر الدولہ کے مصنف نے بیان کرنے کے بعد لکھا ہے:

'اس کے لیے ایک مستقل دفتر قائم ہوا، جس کا نام 'کرناٹک اسٹے پنڈس پے

ماسٹر آفس' تھا، اور یہ دفتر آج تک قائم ہے، یہ تمام اپیلیں اب تک اصلی صورت میں حاجی ابواحمد محمد عبداللہ کے پاس موجود ہیں، ان کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ صرف ملا بحرالعلوم عبدالعلی ہی ایک شخص تھے جنھوں نے انگریزوں کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا'۔ (ص: ۱۵۷)

۱۲۱۶ھ کے بعد ۱۳/ رجب ۱۲۲۵ھ تک پورے دس سال ملا بحرالعلوم بقید حیات رہے اور مدراس ہی میں قیام بھی رہا، لیکن انگریزوں کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا، حالانکہ ان کا مشاہرہ ایک ہزار روپیہ تھا، اور دو گاؤں بھی جاگیر میں عمدۃ الامراء کے وقت میں دیے گئے تھے۔

علامہ بحرالعلوم کی وفات کے بعد ان کے فرزند علامہ عبدالرب، دوسرے مرحوم فرزند کے بیٹے علامہ عبدالواحد اور داماد و جانشین ملک العلماء علامہ علاء الدین بن علامہ انوارالحق فرنگی محلی نے اپیلیں کیں، چنانچہ علامہ بحرالعلوم کی تنخواہ کمپنی بہادر سے جاری ہوکر ورثا میں تقسیم ہونے لگی۔

مولوی محمد غوث شرف الملک نے خواب دیکھنے کے بعد علامہ بحرالعلوم سے استفادہ کیا اور بہت فیض اٹھایا، یہاں تک کہ بڑی شہرت کے عالم اور صاحب تصانیف ہوئے، عربی، فارسی میں ان کی علمی تصانیف آج بھی پائی جاتی ہیں، اور فارسی و اردو میں ان کی شاعری آج بھی قابل ذکر ہے۔

مولوی محمد غوث کی سب سے اہم تصنیف 'نثر المرجان فی رسم نظم القرآن' سات جلدوں میں آج سے ساٹھ سال قبل حیدرآباد دکن سے شائع ہوچکی ہے جس کے مقدمہ میں وہ اپنے استاد بحرالعلوم کا جن شاندار الفاظ میں ذکر کرتے ہیں وہ پڑھنے کے قابل ہے:

'استاذ فاضل، چھوٹوں بڑوں کی پناہ گاہ، علم اور حکمت کے درجوں کو طے کرچکنے والے، نیک نفس اور شرافت کے پشت پناہ، علوم معقول و منقول کے کامل، اصول و فروع کی خوب سمجھ رکھنے والے، ذکر و اذکار اور تقویٰ و پرہیزگاری کے حامل، غور و فکر اور فتویٰ نویسی میں صائب الرائے، ہمارے آقا اور مرجع امید، دریائے فیض کے سرچشمہ عبدالعلی محمد بن نظام الملۃ والدین انصاری نے (ان کے گلستان کے ثمرات سے اللہ تعالیٰ خلق کو متمتع

کرے اوران کے فیض سے ہمیں محروم نہ فرمائے) ایک دن مجھ سے اپنی پاکیزہ گفتگو میں فرمایا اوراپنے دلنشیں جملوں سے مجھے آمادہ فرمایا کہ ایک کتاب کی تالیف میں اپنے اوقات صرف کروں تاکہ احباب کے لیے ایک اچھی یادگار رہ جائے، اس لیے کہ تصنیف ہمیشہ رہنے والا کارِخیر ہے اورلوگوں کی نگاہوں میں رہنے والی چیز ہے، ان کی مخلصانہ تلقین میرے دل میں رچ بس گئی.... اوراستاد کا حکم یوں بھی لائق تعمیل ہوتا ہے، پھراس حکم کی تائید..... نواب والا جاہ کے بیٹے محسن کبیرو رئیس ثابت جنگ بہادر عبدالغفار خاں نے بھی کی، اس کے بعد میرے لیے سرتابی کی کوئی گنجائش نہیں رہی'۔ (نثر المرجان)

شرف الملک مولوی محمد غوث مدراس کے نامور علمی خانوادے کے ممتاز فرد تھے، اوران کے بڑے فرزند مولوی عبدالوہاب مدارالامراء نے بھی تبرکاً میزان الصرف (علم صرف کی پہلی کتاب) علامہ بحرالعلوم عبدالعلی سے پڑھی اورعربی کی انتہائی کتابیں ملک العلماء مولانا علاءالدین احمد فرنگی محلی سے پڑھیں، شرف الملک کے دوسرے فرزند قاضی صبغۃ اللہ بدرالدولہ نے بھی تبرکاً میزان الصرف علامہ بحرالعلوم سے پڑھی اورانتہائی کتابیں ملک العلماء علامہ علاء الدین احمد فرنگی محلی سے پڑھیں، علامہ علاءالدین احمد علامہ بحرالعلوم کے برادرعم زاد کے پوتے تھے، اورعلامہ بحرالعلوم کے داماد اورشاگرد تھے اورمدراس میں علامہ بحرالعلوم کے جانشین ہوئے، ان کا انتقال مدراس ہی میں ۱۲۴۲ھ مطابق ۱۸۲۶ء میں ہوا۔

'خانوادہ قاضی بدرالدولہ' کے مصنف نے علامہ بحرالعلوم اوران کے ہمراہی اعزہ واقارب کے سلسلے میں ایک جگہ لکھا ہے کہ:

'نواب محمد علی والا جاہ کا جب ۱۲۱۰ھ میں انتقال ہوا اورنواب عمدۃ الامراء بہادر سریرآرائے سلطنت ہوئے توانھوں نے ملا عبدالعلی بحرالعلوم کوملک العلماء کا خطاب دیا اورنذر کی پہلی تھالی ان کے دامن میں ڈال دی، نواب عمدۃ الامراء نے ضلع چنگل پیٹھ میں چنوراور جعفراپیٹھ کے دوقریے بطور جاگیرعنایت کیے تھے، جونواب کی وفات ۱۲۱۶ھ مطابق ۱۸۰۱ء کے بعد ضبط ہوگئے تھے، ان کے بدلے ماہوار رقم مقرر کردی گئی تھی، بحرالعلوم نے انگریزوں کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا، اورجب ۱۳/رجب ۱۲۲۵ھ کو بحرالعلوم کا

انتقال ہو گیا تو دو دن بعد ۱۵/ رجب کو ان کے داماد مولوی علاء الدین احمد کو ''ملک العلماء'' کا خطاب دے کر مدرسہ کلاں کا صدر مدرس بنا دیا تھا، اس مدرسہ میں سلطان العلماء مولوی عبدالرب (بن بحرالعلوم) اور قطب العلماء مولوی عبدالواجد بن مولوی عبدالاعلیٰ (بن بحرالعلوم) کے علاوہ اور کئی اساتذہ کام کرتے رہے تھے''۔ ((خانوادہ قاضی بدرالدولہ، ص:۴۰۸ مطبوعہ ۱۹۶۳ء)

ملک العلماء علامہ علاء الدین احمد بھی مدراس میں آخر عمر تک مقیم رہے اور علامہ بحرالعلوم کی جانشینی کے فرائض انجام دیتے رہے، ان کے انتقال کے بعد ان کے اکلوتے بیٹے علامہ جمال الدین احمد فرنگی محلی مدراس میں آخر عمر تک قیام پذیر رہے، علامہ جمال الدین احمد فرنگی محلی نے لکھنؤ میں اپنے چچا ملا نورالحق سے درسیات کی تکمیل کی تھی اور پھر مدراس چلے گئے تھے جہاں مدرسہ والا جاہی میں مدرس ہوئے اور درس وتدریس کے فرائض انجام دینے لگے، اور اپنے والد (ملک العلماء علامہ علاء الدین احمد) کا رتبہ پایا اور ان کے جانشین ہوئے۔

۱۲۷۶ھ، ۱۸۶۰ء میں علامہ جمال الدین احمد فرنگی محلی کے انتقال کے بعد مدراس میں علامہ بحرالعلوم کی مسند تدریس ان کے گھرانے کے افراد سے خالی ہوگئی، لیکن علامہ بحرالعلوم کے ذریعہ بانی درس نظامی علامہ نظام الدین فرنگی محلی کا دریائے فیض جو رواں ہوا تھا وہ جنوبی ہند میں شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کے ذریعہ پھیلتا رہا۔

علامہ نظام الدین کے دریائے فیض سے جو چشمے پھوٹے ان میں سے ایک بحر زخار بن کر شاہجہانپور، رامپور اور بردوان تک شمال مغرب اور مشرق میں پھیلنے کے بعد دکن تک وسیع ہو گیا یہی وہ چشمہ تھا جسے آج تک بحرالعلوم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، دکن میں دینی علوم کے استاد اول یہی علامہ بحرالعلوم ہوئے، جن کی جانشینی ان کے داماد علامہ علاء الدین (حفید علامہ احمد عبدالحق فرنگی محلی) نے کی۔ علامہ علاء الدین کے بعد ان کے بیٹے جمال الدین فرنگی محلی نے درس وتدریس، وعظ وافتاء اور مناظرہ وغیرہ میں خاصا بلند درجہ مدراس میں حاصل کیا، یہ تینوں فرنگی محلی بزرگ مدراس ہی میں مدفون ہیں، اور ان کی علمی سرگرمیوں کی تاریخ، نیز انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کی طرف سے ریاست

ارکاٹ کے حقوق میں دخل اندازیوں کے خلاف عوامی بیداری پیدا کرنے کے سلسلے میں علامہ جمال الدین اوران کے والد اور نانا (بحر العلوم) کے برملا اقدامات کے تذکرے ریاست مدراس کے سرکاری کاغذات اوراس زمانے کے بعض مخطوطات میں محفوظ ہیں۔

تصنیف وتالیف

درس وتدریس، وعظ وارشاد اور قضاء وافتاء کے علاوہ ملا بحر العلوم کی خدمات کا ایک اور میدان بھی ہے، جسے ہم تصنیف وتحقیق سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خاندان فرنگی محل میں ملا مبین تک کثرت تصانیف میں آپ کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔آپ کے بعد خانوادۂ فرنگی محل میں کثرت تصانیف میں ملا مبین، مولانا ولی اللہ، علامہ عبدالحیٔ اور مولانا عبدالباری کو آپ کی یادگار سمجھا جاسکتا ہے۔ کثرت سے قطع نظر میدانِ تصنیف میں آپ کی بڑی خصوصیت اعلی معیاری تحقیق وتدقیق ہے۔اس وصف میں آپ علماء متقدمین جسے ابن ہمام، جلال دوانی اور صدر الشریعہ سے لگا لگاتے نظر آتے ہیں۔

معقولات ومنقولات دونوں میں بے نظیر تبحر کی دلیل وہ واقعہ ہے جو ملا حسن کے قیام دہلی کے دوران وقوع پذیر ہوا۔ ہوا یوں کہ مولانا حسن فرنگی نے ایک بار دہلی کا سفر کیا، یہ شاہ عبد العزیزؒ کا زمانہ تھا، شاہ صاحب کے بعض شاگرد ملا حسن کی خدمت میں حاضر ہوئے اوران کے علمی ومنطقی جوابات سے اسقدر متاثر ہوئے کہ شاہ صاحب سے ملا حسن کا تذکرہ کیا اوران کی مدح وتوصیف میں لگ گئے۔شاہ صاحب نے فرمایا کہ ارے ان معقولیوں کو قرآن وحدیث سے کوئی تعلق نہیں، یہ بیچارے عمر بھی 'قال الشیخ وقال الرازی' میں پڑے رہتے ہیں۔ مولانا حسن کچھ دنوں کے بعد رامپور واپس آ گئے اوراس واقعہ کی خبر ملا بحر العلوم تک پہونچی۔ بحر العلوم نے شاہ صاحب کے تبصرہ کے جواب میں ایک کتاب تصنیف فرمائی جسے 'ارکان اربعہ' یا 'رسائل الارکان' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بحر العلوم نے یہ تصنیف شاہ صاحب کی خدمت میں بھیجی جسے دیکھ کر نہ صرف ان کی غلط فہمی دور ہوگئی بلکہ انہوں نے جوابی خط میں بحر العلوم کی مدح وستائش کی اور انہیں 'بحر العلوم' کے لقب سے مخاطب کیا۔ خدا کی قدرت کہ ملک العلماء وغیرہ القاب کے بجائے ملا عبدالعلی کی شہرت شاہ عبدالعزیزؒ کے عطا کردہ اسی لقب (بحر العلوم) سے ہوگئی اور آج

ان کے دیگر القاب کا تو کیا ذکر خود ان کے نام سے کم ہی لوگ واقف رہتے ہیں، ان کی شناخت کے لئے یہی لقب 'بحر العلوم' کافی ہو گیا ہے۔

مختلف علوم وفنون میں مولانا بحر العلوم کی مشہور تصانیف کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) ہدایۃ الصرف، (۲) شرح فقہ اکبر (بزبان فارسی یہ دونوں کتابیں طبع ہو چکی ہیں)، (۳) سلم و مسلم کی شروح مطبوع اور متداول ہیں، (۴) زواہد ثلثہ پر آپ کے حاشئے مکمل ہیں، رسالہ میر زاہد کا حاشیہ مطبوع ہے، (۵) علامہ ابن ہمام صاحبِ فتح القدیر کی 'تحریر الاصول' کی شرح آپ کے والد ماجد نے لکھنا شروع کی تھی، آپ نے اس کی تکمیل فرمائی، (۶) مثنوی مولانا روم کی ایسی بے مثل شرح لکھی ہے جو متقدمین ومتاخرین میں اپنی نظیر نہیں رکھتی، (۷) اپنی شرح سلم پر 'منہیات' بھی تحریر فرمائے ہیں، یہ دونوں طبع ہو چکی ہیں، (۸) شرح مواقف میر زاہد پر تین حاشئے تحریر فرمائے ہیں، (۹) صدرا پر حاشیہ مکمل اور مطبوع ہے، (۱۰) تقریباً اکثر کتب درسیہ پر حاشئے ہیں، (۱۱) منار کی شرح بزبانِ فارسی تحریر فرمائی تھی، (۱۲) وحدت الوجود میں تین رسالے ہیں، (۱۳) احوال قیامت میں ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے، (۱۴) فقہ میں 'ارکان اربعہ' یا 'رسائل الارکان' مجتہدانہ کتاب ہے جو مطبوع ہے۔

(۳) مولانا محمد حسن ابن قاضی غلام مصطفیٰ ابن مولانا محمد اسعد

وفات: ۱۲۰۹ھ مطابق ۱۷۹۴ء

بحر العلوم کے ترک وطن کے بعد فرنگی محل میں مولانا حسن کی محفل استاذ الہند کی یادگار بن گئی۔ ان کے بھائی مولانا محمد ولی اور چچا احمد حسین کے حلقہ درس بھی، جو فرنگی محل ہی میں قائم تھے، طالبان علم کے لئے کشش رکھتے تھے، لیکن مولانا محمد حسن کی شخصیت، بقول مولانا عبد الاعلیٰ فرنگی محلی:

'مولانائے کامل (ملا عبد العلی بحر العلوم) کے ترک وطن فرمانے کے بعد سوائے ملا حسن کے فرنگی محل میں کوئی دوسرا نہ تھا جو علمی سرداری اختیار کرتا، انہوں نے علمی سرداری قبول کی اور خاندان فرنگی محل کے معتقدین اور خدام کے مرجع بن گئے۔ (۱۱)

مولانا عبد الاعلیٰ اس کے آگے لکھتے ہیں:

'بیس سال کے قریب مولانا حسن فرنگی محل مین درس دیتے رہے اور بڑا احترام ان کا کیا جانے لگا، جنانچہ لوگ ان کو مولانائے عارف (استاذ الہند ملا نظام الدین) کا جانشین سمجھنے لگے تھے اور استفتون پر اسی طرح ان سے جواب لکھواتے تھے جیسا کہ علامہ نظام الدین سے لکھواتے تھے اور علامہ نظام الدین کے انتقال کے بعد مولانائے کامل مولانا عبد العلی بحر العلوم) سے لکھوایا کرتے تھے۔(۱۲)

پھر مولانا حسن کو بھی اسی طرح کے شیعہ سنی قضیہ سے سابقہ پڑا جیسا کہ بحر العلوم کو پڑا تھا۔ یہ شجاع الدولہ وزیر ممالک کا زمانہ تھا جس کی راجدھانی فیض آباد تھی۔ علمائے فرنگی محل کے ساتھ مولانا حسن ایک وفد لے کر نواب شجاع الدولہ کے پاس فیض آباد گئے کہ لکھنؤ کے حکام شیعہ سنی قضیہ بھڑکاتے اور خوں ریزی کراتے ہیں۔ اس وفد نے خیر اللہ حسینی اور عطا محمد حسینی کے خون ناحق کی فریاد بھی کی مگر فیض آباد میں کوئی دادرسی شجاع الدولہ کے عمال نے نہیں کی، مولانا عبد الاعلیٰ اس سلسلہ میں ارکانِ وفد کی باہمی نااتفاقی کو ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔

وفد کی ناکامی کے بعد مولانا حسن بھی لکھنؤ واپس آنے کے بجائے فیض آباد سے اسی راہ پر چل پڑے جو ان سے قبل ہی ان حالات میں بحر العلوم نے اختیار کی تھی۔ مولانا حسن بھی حافظ رحمت خاں کے پاس شاہجہان پور پہونچ گئے اور شاہ مدن (شاہ شرف الدین قادری جیلانی شاگرد مولانا کمال الدین سہالوی) کے یہاں قیام فرمایا، اس وقت بحر العلوم بھی وہاں موجود تھے۔ مصنف رسالہ قطبیہ کا بیان ہے:

'اس وقت چونکہ حافظ رحمت خاں مرہٹوں سے لڑائی کی تیاری میں مصروف تھے جو بے پناہ یورش کر رہے تھے، اس لئے ملا حسن کی خدمت بجانہ لاسکے۔ نجیب الدولہ کے بیٹے ضابطہ خاں نے ملا حسن کو اپنے یہاں دارانگر (نزد امروہہ) بلالیا اور تشریف آوری پر بڑی توقیر کی، اور جب ضابطہ خاں کو مرہٹوں کے مقابلہ میں شکست ہوگئی اور ریاست ہاتھ سے نکل گئی تو ملا حسن شاہ عالم (بادشاہ دہلی) کی رفاقت میں شاہجہان آباد میں رہنے لگے جب ضابطہ خاں پھر اپنی مملکت پر قابض ہوا تو اس نے ملا حسن کو دہلی سے بلوالیا، اور پورے اعزاز و احترام کے ساتھ اپنے ساتھ رکھا، لیکن چونکہ اس کی مملکت میں مرہٹوں اور فسادیوں

کی وجہ سے ہمیشہ اضطراب رہتا تھا اس لئے ملا حسن وہاں سے رامپور آ گئے اور چند سال درس وتدریس میں گزار کر وفات پا گئے۔ (۱۳)

نواب فیض اللہ خاں والی رامپور نے مولانا حسن کا شایان شان استقبال کیا اور گرانقدر تنخواہ مقرر کر کے سرکاری مدرسہ آپ کے سپرد کر دیا۔ آپ نے وہیں ۳/ صفر ۱۲۰۹ھ مطابق ۱۷۹۴ء کو انتقال فرمایا۔

رسالہ قطبیہ کے مصنف ملا عبدالاعلی ملا حسن کے داماد تھے، ان کا بیان ملا حسن کے سلسلہ میں بلا شبہ مستند ترین بیان ہے، جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دارانگر کے مدرسہ میں ملا حسن نجیب الدولہ کے زمانہ میں نہیں گئے تھے، جن کا انتقال ۱۱۸۴ھ میں ہوا، بلکہ ان کے بعد ان کے بیٹے ضابطہ خاں کی دعوت پر گئے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب حافظ رحمت خاں والی روہیلکھنڈ بقید حیات تھے، حافظ رحمت خاں کی شہادت ۱۱۸۸ھ میں ہوئی، اس طرح ملا حسن کے فرنگی محل سے جانے کا زمانہ قریب قریب متعین ہو جاتا ہے، جو ۱۱۸۴ھ اور ۱۱۸۸ھ کے درمیان کا ہے۔

رسالہ قطبیہ کی اس تفصیل سے شیخ رضی الدین محمود انصاری (مصنف اغصان الانساب) کے اس بیان کی تردید ہو جاتی ہے کہ نجیب الدولہ نے مولانا حسن کو اپنے مدرسے میں مدرس کی حیثیت سے مامور کیا تھا۔

مولانا حسن نے بعض کتب مولانا کمال الدین سہالوی سے پڑھیں، اور اکثر کتب درسیہ کی تحصیل استاذ الہند سے کی اور انہیں سے فاتحہ الفراغ پڑھا۔ مولانا حسن کو تمام علوم میں مہارت حاصل تھی اور معقولات میں مجتہدانہ شان کے حامل تھے۔ بلا کا حافظہ پایا تھا اور زبردست یادداشت کے مالک تھے، ایک بار جو کچھ پڑھ لیتے یاد ہو جاتا۔ ایک مرتبہ اپنے دادا استاذ الہند سے کسی منطقی مسئلہ پر بحث فرما رہے تھے کہ استاذ الہند نے فرمایا کہ شیخ ابن سینا نے شفاء میں یہ کہا ہے تم کیوں اس کے مخالف گفتگو کر رہے ہو، مولانا حسن نے بصد ادب عرض کیا کہ معقولات میں تقلید نہیں کی جا سکتی، شیخ نے یہ کہا ہے میں یہ کہہ رہا ہوں۔

مولانا حسن کی تصنیفات یہ ہیں:

(۱) شرح سلم، بحث موجہات تک جو متداول ہے اور داخل نصاب ہے۔ یہ تصنیف مولانا صاحب کے کمال فن کی شاہد ہے۔ معقولی طرز استدلال میں کوئی شرح اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ (۲) شرح مسلم الثبوت (۳) حواشی صدرا (۴) حواشی زواہد ثلاثہ (۵) معارج العلوم (منطق میں متن) (۶) مدارج العلوم (حکمت میں متن) (۷) ان کے علاوہ شمس بازغہ پر بھی ملا حسن کا حاشیہ ہے۔

(۴) مولانا محمد ولی ابن قاضی غلام مصطفیٰ ابن مولانا محمد اسعد

مولانا محمد ولی نے بھی اپنے برادر اکبر مولانا محمد حسن کی طرح درسیات کی تحصیل مولانا کمال الدین سہالوی (ماموں) اور استاذ الہند (دادا) سے کی تھی۔ وہ مدرس بھی تھے اور مصنف بھی، ان کی ایک تصنیف 'شرح سلم' ہے جو بشکل مخطوطہ بیشتر علمی ذخیروں میں موجود ہے۔ اس شرح کے بارہ میں مولوی فضل امام خیرآبادی کا بیان ہے کہ: 'بہترین شرح ہے، لوگوں کا بیان ہے کہ یہ شرح علامہ نظام الدین کے ملاحظہ سے گزر چکی ہے اور انہوں نے اس میں اصلاح بھی فرمائی ہے۔ ﴿۱۴﴾

یہی مولانا ولی ہیں، جو خیرآبادی سلسلہ تلمذ کے نامور استاد مولانا عبدالواجد خیرآبادی (استاد مولوی فضلِ امام خیرآبادی) کے استاد ہیں، مولانا ولی کے تلامذہ میں اور بھی بڑے نامور لوگ ہیں، جن میں سے ایک سید انشاء اللہ خاں انشاء مشہور شاعر بھی ہیں۔ خود مولانا ولی کے تینوں صاحبزادے مولوی عزیز اللہ، مفتی ظہور اللہ اور مولوی نور اللہ بھی اپنے والد ماجد ہی کے شاگرد تھے۔

مولانا محمد ولی اپنے والد ماجد کی شہادت کے بعد بادشاہ دہلی کی طرف سے اپنے والد ماجد کی جگہ ملانواں کے قاضی مقرر ہوئے اور جب تک حکومت وقت کی جانب سے ادارۂ قضا کے احکام شرعیہ میں بیجا مداخلت شروع نہیں ہوئی آپ قاضی کے منصب پر کام کرتے رہے، اس کے بعد استعفاء دے کر وطن واپس آ گئے اور تالیف وتدریس میں مصروف ہو گئے۔ تصنیفات میں شرح سلم کے علاوہ 'حواشی زاہدیہ علی الجلالیہ' اور 'حواشی زاہدیہ علی شرح المواقف' پر آپ کے مستقل حواشی ہیں۔

(۵) مولانا محمد مبین ابن مولوی محب اللہ ابن مولانا احمد عبدالحق ابن مولانا محمد سعید

ولادت: ۱۱۵۷ھ مطابق ۱۷۴۴ء وفات: ۱۲۲۵ھ مطابق ۱۸۱۰ء

فرنگی محل سے مولانا حسن کے رخصت ہونے کے بعد درسگاہِ استاذ الہند کی رونق جن مدرسین کے دم سے قائم رہی ان میں مولانا محمد مبین کا نام بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا مبین کے بھتیجے اور شاگرد مولانا ولی اللہ نے لکھا ہے:

'جب ملا حسن نے جو ملا مبین کے استاد تھے فرنگی محل سے روہیلکھنڈ کی طرف ہجرت فرمائی تو ملا مبین نے شاہ شاکر اللہ سندیلوی (شاگرد ملا نظام الدین و مرید میر سید اسماعیل بلگرامی) کی خدمت میں حاضر ہوکر ملا حسن کا فرنگی محل سنے جانا بیان فرمایا۔ شاہ صاحب نے ملا مبین سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا:۔ 'میاں مبین! محمد حسن ایک نام تھا، وہ نام تمہیں دے دیا گیا، گھر جاؤ اور درس وتدریس کرو، ملا حسن سے بھی زیادہ اس دیار میں تمہارا اعتبار ہوگا' (اور ایسا ہی ہوا بھی) اللہ جل شانہ نے اس زمانہ کے بیشتر معززین کے دلوں میں یہ بیٹھا دیا کہ اب ہندوستان میں ملا مبین کے درجے کا اور کوئی عالم نہیں ہے، چنانچہ ایک روز وزیرالممالک شجاع الدولہ کی محفل میں سید شاہ مدن نے ملا حسن کا ذکر کیا (جو یقیناً وہی زمانہ ہوگا جب ملا حسن ہجرت کر کے ظابطہ خاں کے پاس جا چکے تھے) اور تفصیل سے بتایا کہ علمیت میں ان کا کیا مرتبہ تھا؟ ایک امیر نے شاہ مدن کی بات کاٹتے ہوئے ملا مبین کی تعریف وتوصیف شروع کردی اور ملا مبین کو ملا حسن سے بلند مرتبہ ٹھہ۔ شاہ مدن نے جواب میں کہا کہ ملا مبین بھی تو عزیز اور شاگرد ملا حسن ہی کے ہیں، امیر نے کہا 'بالکل غلط؛ ملا مبین کسی کے شاگرد نہیں، بیچارے شاہ مدن خاموش ہوکر رہ گئے، ان امیر کا نام لوگوں نے امیر مرتضی بلوچی بتایا ہے۔ (۱۵)

مولانا مبین ہر جمعہ کو مسجد فرنگی محل میں وعظ فرماتے، ایسا شیریں اور مؤثر کہ جیسے ہی وعظ شروع ہوتا لوگ زاروقطار رونا شروع کر دیتے۔ معتبر روایات ہے کہ مولانا مبین کا وعظ ایسا موثر ہوتا تھا کہ جیسے ہی وہ فرماتے کہ اللہ جل شانہ فرماوت ہے، حاضرین بیقرار ہونے لگتے۔ وعظوں میں ہزاروں احادیث اپنے حافظہ سے بیان فرماتے جس سے علم

حدیث میں وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ مزاج میں نخوت اور تکبر نام کو نہ تھا، اپنے زمانہ کے علماء کا پورا احترام فرماتے، باوجود بڑے معقولی ہونے کے بزرگان دین سے بڑی عقیدت تھی ، چنانچہ اکثر مولانا شاہ حقانیؒ اور حضرت شاکر اللہؒ کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے۔

مولانا مبین کی متعدد تصانیف ہیں اور تمام تصانیف میں طلباء اور اساتذہ دونوں کے لیے نہایت وضاحت سے مطالب حل کئے گئے ہیں۔ ہر درسی کتاب پر تعلیق کے علاوہ مستقل تصنیفات حسب ذیل ہیں:

(۱) شرح سلم العلوم کامل (۲) شرح مسلم الثبوت تا ختم مبادی کلامیہ (۳) حواشی زواہد ثلثہ (۴) حل بحث مثناۃ بالتکریر مذکورۂ صدرا (۵) کنز الحسنات فی مسائل الزکوٰۃ (۶) شرح اسماء حسنٰی (۷) ترجمہ حکایات الصالحین (۸) شرح تبصرۃ تصوف میں (۹) جواہر الفوائد مسائل صوم میں (۱۰) وسیلۃ النجاۃ ائمہ اثنیٰ عشر کے حالات میں۔ وسیلۃ النجاۃ کسی شیعہ دوست کی فرمائش و بحث کے نتیجہ میں لکھی گئی ہے۔ فضائل رجال میں گو روایات ضعیفہ پر بھی اعتماد کیا جا سکتا ہے مگر اس کتاب میں بعض روایتیں حد ضعف سے بھی متجاوز ہو گئی ہیں۔

(۶) مولانا نور الحق بن انوار الحق بن احمد عبد الحق ابن مولانا محمد سعید

وفات: ۱۲۳۸ھ مطابق ۱۸۲۲ء

مولانا نور الحق اور ان کے چھوٹے بھائی مولانا علاؤ الدین اپنے چچا کے ساتھ سفر کر کے رامپور اور بوہار مولانا بحر العلوم کی خدمت میں حاضر ہوئے گئے اور تکمیل درسیات کے بعد فاتحہ الفراغ مولانا بحر العلوم سے پڑھا۔ وطن واپس آ کر مدت العمر خدمت علم میں مصروف رہے۔ نہایت عظیم المرتبت عالم اور فاضل کامل تھے۔ آپ کے تلامذہ میں بڑے بڑے باکمال بزرگ علماء ہوئے ہیں۔ مشہور عالم و بزرگ حضرت مولانا فضل رسول بدایونی اور حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی اسی چشمۂ علم کے فیض یافتہ تھے۔ حضرت مرزا حسن علی محدث اور مولانا حسین احمد محدث اسی خرمن کمال کے خوشہ چیں تھے۔ آپ کے بعد اکثر علماءِ فرنگی محل کا سلسلہ تلمذ آپ تک پہنچتا ہے۔ حلقہ درس بہت وسیع ہوتا تھا۔ معقولات

ومنقولات میں زبردست تبحر کے باوجود نہایت متواضع، منکسر المزاج اور خوش خلق تھے، علوم ظاہری کے علاوہ علوم باطنی اپنے والد ماجد سے حاصل کئے تھے اور انہیں سے بیعت بھی تھے۔ اجازت ارشاد بھی والد ماجد سے حاصل تھی۔ علوم باطن میں ایسا کمال حاصل کیا تھا کہ خود آپ کے والد ماجد فرمایا کرتے کہ میاں نور نور ہی نور ہیں۔

آپ کی وفات کی خبر سن کر مولانا شاہ عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نور میاں سر سے پاؤں تک نور ہی نور تھے۔ آپ کے کشف وکرامات بہت زیادہ تھے، ایثار وتوکل ایسا تھا کہ آپ کے زمانہ میں کوئی آپ کی نظیر نہ تھی۔

جب آپ کے والد ماجد کی وفات ہوئی تو باوجودیکہ آپ فرزند اکبر اور تمام صاحبزادوں میں سب سے زیادہ جانشینی کے مستحق تھے، مگر آپ نے اپنے چھوٹے اور سوتیلے بھائی مولانا محمد احمد کو، جو صرف ۱۹-۲۰ سال کے تھے، اپنے والد ماجد کا سجادہ نشین بنایا اور دوسرے مریدوں کی طرح خود بھی چھوٹے بھائی کو نذر دی۔

باوجود عسرت وتکلیف کے ہمیشہ امراء کی صحبت سے پرہیز فرماتے۔ لیکن اگر کوئی حاجتمند حاضر ہوتا اور کسی امیر سے سفارش کا طلبگار ہوتا یا اس کے پاس چل کر سفارش کرنے کی خواہش کرتا تو حاجت روائی میں دریغ نہ فرماتے، گو اس میں آپ کو کیسی ہی زحمت کیوں نہ برداشت کرنی پڑے۔ مریدین بکثرت تھے، والد ماجد کی حیات ہی سے یہ سلسلہ والد ماجد کے حکم سے شروع ہو گیا تھا۔

کثرت تدریس وریاضت کی وجہ سے اکثر آپ کو دردِ کمر کی شکایت رہنے لگی تھی، علاج سے کم ہو جاتا تھا مگر بالکلیہ دفع نہ ہوتا تھا۔ والد ماجد کے انتقال سے ۹/ ماہ بعد اس مرض نے ایسا غلبہ کیا کہ آپ پر بے ہوشی طاری ہوگئی اور ۲۳/ ربیع الاول شبِ یکشنبہ ۱۲۳۸ھ مطابق ۱۸۲۲ء کو وفات پائی۔

تصانیف:

آپ کی اہم تصانیف میں سورہ فاتحہ کی تفسیر ہے جس کے متعلق فخر المتاخرین علامہ ابوالحسنات محمد عبدالحی فرنگی محلی رقم طراز ہیں: ’طالعتہ فوجدتہ نفسیا حسنا

شاھدا علی جلالۃ' اس کے علاوہ کتب درسی پر حواشی ہیں۔

(۷) سلطان العلماء مولانا عبدالرب ابن مولانا عبدالعلی بحرالعلوم

ابن استاذ الہند مولانا محمد نظام الدین

وفات: ۱۲۵۳ھ

آپ کی کنیت ابوالعیاش تھی۔ بچپن ہی سے اپنے والد ماجد کے ساتھ رہے اور شاہجہاں پور، رامپور، بوہار اور مدراس میں اپنے والد ماجد ہی سے جملہ علوم کی تحصیل فرمائی۔ تکمیل درسیات کے بعد تدریس کی طرف متوجہ ہوئے۔ والد ماجد کو آپ کی تعلیم کی جانب خاص توجہ تھی۔ کچھ زمانہ تک مدراس میں قیام کے بعد شادی کے لیے وطن واپس ہوئے اور شیخ عزیز اللہ سہالوی کی دختر کے ساتھ نکاح کیا۔ سیر وسیاحت کا شوق رکھتے تھے، کئی مرتبہ مدراس تشریف لے گئے اور ممالک دکن کی سیاحت فرمائی، کچھ دنوں کلکتہ میں بھی قیام فرمایا۔

صاحبِ اغصان الانساب لکھتے ہیں:

کہ آپ بڑے فیاض تھے۔ ۶/ رمضان المبارک ۱۲۵۳ھ کو وفات پائی۔

مولانا عبدالرب کو نواب کرناٹک نے سلطان العلماء کا خطاب دیا تھا اور دو سو روپیہ پینشن مقرر کی تھی۔

(۸) مفتی ظہور اللہ بن ملا ولی بن قاضی غلام مصطفیٰ بن ملا اسعد

ولادت: ۱۱۷۴ھ مطابق ۱۷۶۰ء وفات: ۱۲۵۶ھ مطابق ۱۸۴۰ء

مفتی صاحب کی ولادت ۱۱۷۴ھ میں ہوئی۔ تحصیل کتب اپنے والد اور چچا ملا حسن سے کی۔ نہایت زبردست اور ذی استعداد عالم وفاضل ہوئے۔ سلسلہ قطبیہ کے ممتاز علماء میں تھے۔ صاحبِ 'خیر العمل' نے تفصیل سے ان کے حالات لکھے ہیں۔ سرکار اودھ سے عہدۂ افتاء سپرد ہوا جس کو چالیس سالوں تک متواتر انجام دیتے رہے۔ باوجود عدالتی کاموں کے سلسلۂ تدریس وتالیف بند نہیں ہوا۔ زواہد ثلثہ پر مطول حواشی اور شمس بازغہ کے رسالہ دوحہ کی شرح آپ کی خاص تالیفات ہیں۔ مولانا عبدالحئیؒ کے حاشیہ لکھنے کا طرز بہت کچھ مفتی صاحب کے طرز سے ملتا ہے۔

تمام کتب درسیہ اور خاص کر کتب فقہیہ پر متفرق حواشی ہیں، مولانا تمام علوم کے ماہر تھے لیکن کاروبار عدالت سے وابستگی کے سبب علوم فقہیہ میں خاص ملکہ حاصل تھا۔

مفتی ظہور اللہ کثرت تلامذہ اور مفید ترین درسی تصانیف کی بناء پر بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ سرکارِ اودھ میں عہدۂ افتاء پر مامور ہونے کے باوجود درس و تدریس میں غیر معمولی انہماک رکھتے تھے۔ وقائع قادر خانی کے مؤلف مولوی عبدالقادر رامپوری ۱۲۳۰ھ مطابق ۱۸۱۴ء میں دوران سیاحت لکھنؤ آئے تو فرنگی محل میں مفتی ظہور اللہ سے بھی ملاقات کی جو اس وقت فرنگی محل کے سب سے بڑے عالم تھے، اپنے سفرنامہ (مخطوطہ حبیب گنج کلکشن، مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) انہوں نے لکھا ہے:

'ایک دن مولوی ظہور اللہ صاحب کی زیارت سے بھی مشرف ہوا، جو صناد ید (اکابرین) فرنگی محل میں ہیں اور اپنے خاندان کے دستور کے مطابق فنون مروجہ کی تعلیم دیتے ہیں'۔ (فارسی سے ترجمہ)

ارباب فرنگی محل کے علاوہ مولانا کے تلامذہ حسب ذیل ہیں:

مولانا نور کریم دریابادی، مولانا عبدالرحیم صفی پوری، مولانا جلال الدین رامپوری، مولانا نجم الدین رامپوری، قاضی امین الدین فتح پوری، قاضی سعید الدین و مولانا کفایت اللہ المتخلص بہ کافی مرادآبادی، مولانا احسان اللہ اوناوی، مولانا خیر اللہ، مولانا عبدالمجید بدایونی، مولانا فضل رسول بدایونی، مولانا یاد علی نصیر آبادی، مولانا محمد ہادی، مولانا عبدالکریم، مولانا عبدالقادر لکھنوی، حکیم واجد علی خاں موہانی، مولانا غنی تقی زید پوری، مولانا احمد علی محمد آبادی، مولانا سعید عظیم آبادی، شاہ مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا حیدر علی فیض آبادی، مولانا مظہر علی خاں لکھنوی، ملا شیر محمد، مفتی عبدالواحد رامپوری، مولانا مسیح الدین خان کاکوروی، مولانا ابوالحسن پنجابی، مولانا سعد اللہ مرادآبادی، مولانا قدرت علی ردولوی، مولانا جعفر علی کسمنڈوی، مولانا فضل علی سندیلوی، مولانا تفضّل علی جونپوری، مولانا سرفراز علی خاں مفتی عدالت عظیم آباد، مولانا حسین احمد محدث ملیح آباد، مولانا عبدالحفیظ ملیح آبادی، مولانا مختار علی جائسی، مولانا محمد حنیف دھمتوری شارح سلم العلوم، مولانا معین

الدین کڑوی، مولانا صبغت اللہ نگرامی، مولانا صادق لکھنوی، حکیم رضا علی، حکیم سید محمد، حکیم مرزا کلو، شیخ محمد حسین حکیم نابینا ساکنان لکھنؤ، مولانا اسمٰعیل چھپراوی، مولانا حکیم غلام نجف، حکیم ابوالبقا، حکیم ابوعلی ساکنان سندیلہ، مولانا علی قلی خان کنتوری، مولانا اشرف علی ردولوی، مولانا غلام حسین پنجابی، حکیم امداد حسین موہانی، مولانا شکر اللہ الٰہ آبادی، مولانا غیاث الدین پنجابی، مولانا پیر بخش کچھوچھوی، مولانا پناہ علی پنجابی، منشی علی نقی خان، مولانا ثابت علی الٰہ آبادی، مولانا ارادت حسین، مولانا دیانت اللہ، مولانا فرخ حسین ساکنان بنگالہ۔

مولانا کی وفات ۱۷؍ربیع الاول ۱۲۵۶ھ مطابق ۱۹؍مئی ۱۸۴۰ء میں ہوئی۔ بروایت دیگر خیر العمل میں سنہ وفات ۱۲۷۵ھ درج ہے۔

(۹) مولانا ولی اللہ ابن حبیب اللہ ابن محب اللہ بن احمد عبدالحق بن مولانا سعید

ولادت: ۱۱۸۲ھ مطابق ۱۷۶۸ء وفات: ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۸۵۳ء

مولانا ولی اللہ فرنگی محل کے ان چند ممتاز علماء میں تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے وجاہتِ دنیاوی اور خدمتِ علم کے اعتبار سے فضل فرمایا تھا۔ استاذ الہندؒ، بحر العلوم اور ملا مبین کے بعد تحقیق و تصنیف کے میدان کا یہ چوتھا شہسوار ہے جو جو کثرت تالیفات میں اگلوں سے بھی بازی لے گیا۔ فرنگی محل میں آپ پہلے عالم ہیں جنھوں نے قرآن مجید کی تفسیر تحریر فرمائی۔ آپ سے پہلے اور آپ کے بعد کسی نے قرآن کی خدمت اس قدر نہیں کی جیسے آپ نے کی۔ متاخرین میں مولانا عبدالباریؒ نے 'الطاف الرحمٰن' کے نام سے تفسیر قرآن لکھنا شروع فرمائی تھی لیکن ابھی صرف دو پارے مکمل ہو سکے تھے کہ مولانا کی وفات ہوگئی۔ مولانا ولی اللہؒ کی یہ تفسیر کافی بڑی تقطیع کی سات ضخیم جلدوں میں بزبان فارسی تحریر کی گئی تھی۔

مولانا ولی اللہ کی ولادت ۱۱۸۲ھ مطابق ۱۷۶۸ء میں ہوئی۔ تحصیل علم ابتداء میں اپنے ماموں مولانا عبدالقدوس ابن مفتی محمد یعقوب اور اپنے خالو مفتی ظہور اللہ ابن ملا ولی سے کی، اس کے بعد متوسطات اور مطولات اپنے چچا مولانا مبین ابن ملا محبّ اللہ سے پڑھے، فارغ التحصیل ہو کر متقدمین اور متاخرین کی تصانیف کا مطالعہ شروع کیا، جہاں کہیں خزانہ کتب پایا اس سے چمٹ گئے، چنانچہ متقدمین و متاخرین کی تحقیقات پر حاوی ہو گئے۔

مولانا عبدالحیؒ نے تحریر فرمایا ہے: 'كان من أكابر العلماء الواقفين على تحقيقات المتقدمين والمتأخرين، نال من البراعة والمهارة بالحظ الوافر، وألف تاليفات كثيرة تدل على صعوده على معارج العلوم العقلية والنقلية'۔

ترجمہ: 'وہ (مولانا ولی اللہ) ایک جلیل القدر اور عظیم المرتبت عالم دین تھے، اگلوں اور پچھلوں کی تحقیقات سے پوری طرح باخبر، زبردست مہارت اور کمال حاصل کیا تھا، بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں جو علوم عقلیہ ونقلیہ میں ان کے مقام بلند کی شاہدِ عدل ہیں'۔

مولانا شاہ سلیمان پھلواروی صاحب ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ:

'استاذ معظم یعنی مولانا عبدالحیؒ علمائے فرنگی محل میں سب سے زیادہ مولانا ولی اللہؒ کی تصانیف کا مطالعہ فرماتے اور سب سے زیادہ ان کی تعریف میں کلمات ارشاد فرماتے'۔

مدت العمر خدمتِ علم اور تدریس وتالیف میں بسر فرمائی، حلقۂ درس نہایت وسیع ہوتا۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ظاہری ثروت وجاہت بھی عطا فرمائی تھی، ہمیشہ سرکار اودھ میں اعزازی عہدوں پر مقرر رہے، وزراء اور امرا احترام وتعظیم سے پیش آتے تھے۔ بالآخر صفر ۱۲۷۰ھ شب شنبہ کو ۸۸ برس کی عمر میں وفات پائی۔

بیعت آپ کو مولانا انوارالحقؒ سے تھی۔ پیرومرشد سے آپ کو غیر معمولی حسن عقیدت اور شغف محبت تھا۔ اغصان اربعہ محض اپنے مرشد حالات وملفوظات قلمبند کرنے کی غرض سے تحریر فرمائی تھی۔ پیرومرشد کی بھی نظر عنایت مولانا کے حال پر مبذول رہتی تھی۔

تصانیف:

(۱) تفسیر 'معدن الجواہر' سات جلدوں میں

(۲) اغصان اربعہ، اس میں مولانا انوارالحق کی کرامات کا تذکرہ ہے اور قطب شہید کی تمام اولاد کا مجملاً ذکر ہے

اسی تذکرہ پر بعد کے تمام تذکرہ نویسانِ فرنگی محل کا اعتماد ہے۔

(۳) حاشیہ ہدایہ، چار ضخیم جلدوں میں

(۴) حاشیہ بر حاشیہ کمال علی شرح العقائد الجلالی، یہ حاشیہ آپ نے ملا مبین کے

ارشاد کی تعمیل میں تحریر فرمایا تھا جس کی تصنیف سے ۱۲۱۵ھ میں فارغ ہوئے

(۵) رسالہ ایقاظات، علم کی بحث میں، ایک الہامی اشارہ کے مطابق اس رسالہ کی تالیف پنجشنبہ ۱۹/شوال ۱۲۰۵ھ کو شروع فرمائی ہوئی، بعد میں اس کی شرح بھی خود ہی تحریر فرمائی جو شوال ۱۲۰۶ھ کو ختم ہوئی۔

(٦) ایک رسالہ بحث تشکیک میں

(۸) ایک رسالہ بحث کلامی 'ہذا کاذب' میں

(۹) شرح سلم العلوم

(۱۰) نفائس الملکوت شرح مسلم الثبوت جو دو بڑی موٹی جلدوں میں باریک قلم سے ہے

(۱۱) رسالہ عمدۃ الوسائل، یہ رسالہ فارسی میں حضرت قطب الاقطاب، حضرت قطب شہید، حضرت قطب الاقطاب کے خلفاء اور استاذ الہند کے بعض تلامذہ کے حالات میں حضرت سید شاہ غلام علی بانسوی نبیرۂ حضرت قطب الاقطاب کے ارشاد سے لکھا گیا۔

(۱۲) حاشیہ بر میر زاہد شرح مواقف

(۱۳) رسالہ در مباحثِ سلطنت و ریاست موسوم بہ 'آداب السلاطین'

(۱۴) مرآۃ المومنین وتنبیہ الغافلین فی مناقب آل سید المرسلین

(۱۵) شرح غایۃ العلوم

(۱٦) شرح معارج العلوم

(۱۷) کشف الابرار فی خصائص سید الابرار

(۱۸) حاشیہ بر شرح ہدایۃ الحکمۃ للصدر الشیرازی

(۱۹) تذکرۃ المیزان

(۲۰) تکملہ شرح سلم مولانا احمد عبدالحق

(۲۱) تکملہ شرح سلم مولانا حسن

(۲۲) حاشیہ بر میر زاہد رسالہ، اس کی تالیف سے ۱۲۱۰ھ میں فراغت ہوئی

(۲۴) حاشیہ بر میر زاہد ملا جلال

مولانا عبد الحیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ مولانا ولی اللہ کی ان مذکورہ تصانیف کے علاوہ بہت سی دیگر تالیفات (صاف شدہ) اور نہایت نفیس مسودات معقولات ومنقولات میں تھے مگر ان کے چھوٹے صاحبزادہ نے اپنی غفلت سے ان کو ضائع کر دیا۔

(۱۰) مولانا عبد الوالی ابن ابوالکرم ابن محمد یعقوب ابن عبد العزیز بن ملا سعید

ولادت: ۱۱۸۹ھ مطابق ۱۷۷۳ء وفات: ۱۲۷۹ھ مطابق ۱۸۶۳ء

مولانا عبد الوالی نے حفظ قرآن کے بعد درسیات کی تحصیل اپنے ماموں مولانا نور الحق بن مولانا انوار الحق سے فرمائی، تکمیل درسیات سے فراغت کے بعد تدریس وتالیف کی جانب متوجہ ہوئے۔ متفرق کتب درسیہ پر آپ کے حواشی ہیں۔ ایک مدت تک علوم ظاہری کی خدمت میں مصروف رہے اس کے بعد آپ پر علوم باطنی کا غلبہ ہوا اور اپنے پیرو مرشد اور نانا مولانا انوار الحق رحمۃ اللہ علیہ سے اذکار واشغال اور علم تصوف کی تحصیل فرمائی۔ درسیات کی تدریس سے دستکش ہوئے اور مثنوی شریف کا درس دینا شروع کیا۔ یہ حلقۂ درس بہت وسیع ہوتا اور اس میں مثنوی شریف کے عجیب وغریب نکات و ودقائق بیان فرماتے۔ ابتداء میں نہایت عسرت وتنگی سے بسر ہوئی مگر کبھی آپ نے کسب معاش وحصول دنیا کی جانب توجہ نہ فرمائی، بعض اوقات متعدد فاقے گھر والوں پر ہو جاتے مگر کسی سے تذکرہ نہ فرماتے۔ ارباب دولت کے سامنے کبھی اپنی حاجت لے کر نہیں گئے۔ نوے برس کی عمر پائی، آخرِ عمر میں ضعف بصر لاحق ہو گیا تھا، جسمانی ضعف اور بینائی سے معذوری کے باوجود مسجد فرنگی محل میں نماز باجماعت آخرِ زمانہ تک ادا فرماتے رہے۔ ایک مسترشد مولوی عبد الغفار ابن مولوی جامع کے سپرد یہ خدمت تھی کہ حضرت کا ہاتھ پکڑ کر مسجد لے جاتے اور واپس لاتے، ایک دن نماز عشاء کے وقت شدید بارش ہو رہی تھی، مولوی عبد الغفار صاحب حضرت کی زحمت کے خیال سے حاضر خدمت نہ ہوئے اور خود مسجد میں نماز ادا کر لی، حضرت نے انتظار فرمایا اور جب معلوم ہوا کہ نماز ہو گئی تو اس قدر تکلیف قلب مبارک پر ہوئی کہ شب بھر زار وقطار گریاں رہے جب مولوی عبد الغفار صاحب نے معذرت کی

تو ارشاد فرمایا کہ تمہارا قصور نہیں ہے قصور تو میرا ہے کہ میں نے تمہارا انتظار کیوں کیا خود کیوں نہ چلا گیا، زیادہ سے زیادہ گر پڑتا، چوٹ آتی، تھوڑے دن کے بعد اچھا ہو جاتا۔ آپ سے رشد و ہدایت کا سلسلہ بہت وسیع ہوا، ہزار ہا آدمی آپ کے سلسلہ میں داخل ہوئے۔ فرنگی محل کے اکثر جلیل القدر علماء کو آپ ہی سے بیعت تھی اور خاندانِ مولانا عبدالحکیم نبیرۂ بحرالعلوم کے علاوہ فرنگی محل کے اکثر حضرات آپ کے سلسلہ ارادت میں داخل تھے۔ آپ کے نانا نے اپنی زندگی ہی میں مسجد فرنگی محل کی امامت آپ کے سپرد کردی تھی اور خود آپ کی اقتداء میں نماز ادا فرماتے تھے، آخر عمر میں آپ نے اسی روایت پر عمل کرتے ہوئے اپنے بھانجے اور خلیفہ حضرت مولانا عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کو امامت سپرد فرمائی تھی، چنانچہ اس خاندان میں عموماً یہی دستور ہے کہ پیر و مرشد جس کو اپنا خلیفہ و قائم مقام بنانا چاہتا ہے اس کے سپرد جمعہ کی امامت کر دیتا ہے۔

آپ کی وفات ۲۲ ر شعبان ۱۲۷۹ھ مطابق ۱۸۶۲ء کی شب میں ہوئی۔ آپ کے مرید مجاز مولوی عبدالغفار صاحب نے آپ کے ملفوظات تحریر کئے تھے جن کا نام الاسرار العالیہ فی المناقب الوالیہ ہے۔

(۱۱) مولانا عبدالحلیم ابن امین اللہ ابن محمد اکبر ابن احمد ابو الرحم ابن محمد یعقوب ابن عبدالعزیز ابن مولانا محمد سعید

ولادت: ۱۲۳۹ھ وفات: ۱۲۸۵ھ

مولانا کی ولادت ۲۱ ر شعبان ۱۲۳۹ھ میں ہوئی۔ حفظ قرآن کے بعد کتب درسیہ اپنے والد ماجد کے علاوہ مفتی ظہور اللہ، مفتی محمد یوسف، مفتی محمد اصغر اور مولوی نعمت اللہ سے پڑھیں۔ سولہ برس کی عمر میں کتب درسیہ کی تحصیل سے فارغ ہو گئے۔ مرزا حسن علی محدث اور مولانا حسین احمد محدث سے حدیث حاصل کی۔ عمر بھر تدریس و تالیف کا سلسلہ جاری رہا۔ پہلے وطن میں رہے پھر باندہ میں نواب ذوالفقار الدولہ کے مدرسہ میں ملازم ہو گئے۔ وہاں ۹ سال قیام کے بعد جونپور میں حاجی امام بخش کے مدرسہ میں چلے گئے اور تقریباً دس سال وہاں مدرسی میں مصروف رہے۔ اس کے بعد حیدر آباد دکن کے سرکاری مدرسہ

میں مدرس ہوئے۔ ۱۲۷۹ھ میں اہل وعیال کے ساتھ حج وزیارت سے مشرف ہوئے اوروہاں شیوخ حدیث سے اجازت حدیث حاصل فرمائی۔حرمین کی زیارت سے واپسی پر حیدرآباد میں عدالت عالیہ کے عہدہ پرتقرر ہوا امراء ورؤساءِ حیدرآباد میں نہایت اعزاز واحترام سے زندگی گزاری۔خواص وعوام سب آپ کے گرویدہ تھے۔

جمادی الآخر ۱۲۸۳ھ میں وطن تشریف لائے اورصاحبزادے کے عقد سے فراغت حاصل کی۔ اعزاءِ وطن کا اصرار ہوا کہ اب وطن میں قیام فرمایئے اورمولانا حیدر بخش بن مولوی حاجی امام بخش جونپوری بضد تھے کہ آپ جونپورتشریف لے چلیں مگرقضا وقدر نے کسی کی درخواست قبول نہ ہونے دی، سال بھر کے بعدحیدرآباد واپس ہوئے اور چندہی دنوں کے بعدعلالت شروع ہوئی، بظاہردق وسل کامرض تھامگرکسی مخالف کاسحر بھی باطن میں کام کررہاتھا۔شعبان تک مرض ایسی حالت پرپہنچ گیا کہ حیات سے ناامیدی ہوگئی۔ اپنے صاحبزادے کووصیتیں فرمائیں،اجازت حدیث عطافرمائی اوربیعت لےکرسلسلۂ قادریہ رزاقیہ میں داخل کیا۔

آخر ۲۹/شعبان یوم دوشنبہ ۱۲۸۵ھ کو بوقت صبح انتقال کیا۔تاریخ وفات 'عالم باعمل نمودقضا' ہے۔

بیعت واجازت آپ کوحضرت مولانا عبدالوالی رحمۃ اللہ علیہ سے تھی، تلامذہ اس قدرکثرت سے تھے کہ سب کاشماردشوارہے جن میں سے اکثرخودصاحب تالیف وتصنیف ہوئے۔

آپ کی تالیفات کثرت سے ہیں جونہایت مفید ونافع ہیں اور جن کی تفصیل (منقول ازعمدۃ الرعایہ) حسب ذیل ہے:

(۱)رسالہ فی الاشارۃ بالسبابۃ فی التشہد(۲) حاشیہ شرح العقائد الجلالی موسوم بہ حل المعاقد(۳) نظم الدررفی سلک شق القمر(٤)امعان النظر لبصارۃ شق القمر(٥) التحلیہ شرح التسویہ(٦) نورالایمان فی آثار حبیب الرحمن(٧) الاملاء فی تحقیق الدعاء(٨) ایقاد المصابیح فی التراویح(٩) غایۃ الکلام فی بیان الحلال والحرام(١٠) خیرالکلام فی مسائل

الصیام(۱۱) القول الحسن فیما یتعلق بالنوافل والسنن(۱۲)عمدة التحریر فی مسائل اللون واللباس والحریر(۱۳) السقایة شرح الهدایة(۱۴) قمرالاقمار حاشیه نورالانوار(۱۵) رسالة فی احوال رحلة الی الحرمین(۱۶) التعلیق الفاضل فی مسئلة الطهر المتخلل(۱۷) رساله فی تراجم علماء الهند(۱۸) رساله فی جمع فتاویٰ(۱۹) التحقیقات المرضیه بحل حاشیة الزاهدیة علی الرسالة القطبیه(۲۰) القول الاسلم لحل شرح السلم(۲۱) الاقوال الاربعة(۲۲) کشف المکتوم لحل حاشیة بحرالعلوم(۲۳) القول المحیط فیما یتعلق بالجعل المولف والبسیط(۲۴) معین الغائصین فی ردالمغالطین(۲۵) الایضاحات لمبحث المتخلطات(۲۶) کشف الاشتباه لحل حمد الله(۲۷) البیان العجیب فی شرح ضابطة التهذیب(۲۸) کاشف الظلمة فی بیان اقسام الحکمة(۲۹) العرفان(۳۰) حاشیة النفیسی شرح موجز الطب(۳۱) الحاشیة علی الحاشیة القدیمة الدوانیة(۳۲) شرح شرح التجرید للقوشیحی(۳۳) حاشیة بدیع المیزان(۳۴) حاشیة المصباح ۔

(۱۲) مفتی محمد یوسف ابن مفتی محمد اصغرابن مفتی ابو الرحم ابن مفتی محمد یعقوب ابن عبدالعزیز ابن مولانا محمد سعید

ولادت: ۱۲۲۳ھ مطابق ۱۸۰۸ء وفات: ۱۲۸۶ھ مطابق ۱۸۷۰ء

مفتی محمد یوسف کی ولادت آپ کے دادا کی حیات میں ۱۲۲۳ھ میں ہوئی۔ اکثر کتب درسیہ آپ نے اپنے والد ماجد سے پڑھیں، رسالہ قوشجیہ مولانا نوراللہ بن ملا ولی سے پڑھا اور کچھ کتابیں مفتی ظہوراللہ سے پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے۔ سیرت وصورت دونوں میں یوسف ثانی تھے، نہایت خوبصورت کسرتی بدن تھا، ورزش آخر عمر تک ترک نہیں فرمائی۔ ایک مدت تک وطن میں تدریس وتالیف میں مصروف رہے۔

والد ماجد کے انتقال کے بعد عہدۂ افتاء آپ کے سپرد ہوا تھا جس کو غدر ۱۲۷۲ھ

مطابق ۱۸۵۷ء تک آپ انجام دیتے رہے۔ ۱۸۵۷ء کی شورش میں آپ کا گھر بار لوٹ لیا گیا تھا۔ اس میں مال واسباب کے ساتھ کتب خانہ کا بھی بڑا حصہ ضائع ہوگیا تھا۔ اس کے بعد نہایت عسرت سے گزر بسر ہوتی تھی۔ سفر حج کا ارادہ فرمایا مگر زادراہ ممکن نہ ہوا۔ ۱۲۷۷ھ میں جب آپ کے شاگرد مولانا عبدالحلیم بن مولانا امین اللہ جونپور سے حیدرآباد چلے گئے تو آپ کو اپنی جگہ پر جونپور میں مدرس مقرر کرا گئے۔ ۱۲۸۳ھ میں جب مولانا عبدالحلیم صاحب اپنے صاحبزادہ مولانا عبدالحی کا نکاح کرنے آئے تھے جو آپ کی پوتی سے ہونے والا تھا تو آپ بھی جونپور سے اپنی پوتی کے عقد میں شرکت کے لیے لکھنؤ تشریف لائے تھے۔ اس اثناء میں آپ سخت علیل ہوگئے یہاں تک کہ سب کو آپ کی حیات سے مایوسی ہوگئی۔ تقریبِ عقد سے فراغت کے بعد جب مولانا عبدالحلیم صاحب ۱۲۸۴ھ میں حیدرآباد واپس جانے لگے تو باصرار آپ کو حیدرآباد چلنے پر راضی کیا مگر مولوی حیدر حسین صاحب وکیل ابن حاجی امام بخش جونپوری (والد نواب عبدالمجید وجد نواب محمد یوسف وزیر امور عامہ) نے کسی طرح آپ کو اپنے مدرسہ سے جانے نہ دیا، مجبوراً آپ نے جونپور میں تھوڑے دنوں قیام فرمایا اور شعبان ۱۲۸۵ھ میں وطن آکر حج کے ارادہ سے بمبئی روانہ ہوئے اور مکہ معظّمہ پہنچ کر کچھ دن قیام فرمایا۔ اواخر شوال میں زیارت روضہ اطہر کے لئے مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ راستہ ہی سے بخار اور اسہال میں مبتلا ہوئے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر ۱۹/ ذیقعدہ ۱۲۸۶ھ کو انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

آپ نہایت عابد وزاہد وشب زندہ دار تھے، جونپور کے حافظ قدرت اللہ صاحب کا بیان ہے کہ آپ نصف شب کے بعد بیدار ہوتے اور عبادت اور ذکر بالجہر فرماتے، صبح ہونے پر نماز فجر کے بعد تلاوت قرآن شریف فرماتے، اس کے بعد ورزش فرماتے، ورزش کے بعد غذا نوش فرماتے اور شب وروز میں صرف اسی وقت غذا نوش فرماتے، اس کے بعد سے درس شروع ہوتا، ۱۱/ بجے تک درس ہوتا اس کے بعد تھوڑی دیر تالیف وتصنیف میں صرف فرما کر آرام فرماتے۔ نماز ظہر سے فراغت کے بعد پھر تدریس فرماتے، مغرب کے بعد پھر تالیف وتصنیف میں مصروف رہتے عشا کی نماز کے بعد آرام فرماتے۔

یہاں پر مولانا کی دیانت سے متعلق ایک واقعہ کا ذکر بے محل نہ ہوگا۔ مولانا ایک دن حسب معمول ایک بوسیدہ چٹائی پر بیٹھے ہوئے کچھ تحریر فرما رہے تھے کہ ایک انگریز حاضر خدمت ہوا۔ مولانا نے اسے ایک شکستہ مونڈھے پر بٹھایا، اس نے کچھ شرعی مسائل نکاح وطلاق کے متعلق آپ سے دریافت کیے، جن کے مفصل جوابات آپ نے ارشاد فرمائے۔ اس کے بعد اس نے دریافت کیا کہ جناب کی بسر اوقات کیسے ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اب ظاہری اسباب میں سے کچھ باقی نہیں رہا لہذا عسرت میں بسر ہوتی ہے، اس نے عرض کیا کہ میں سرکاری ملازمت آپ کو دلا دوں گا، آپ نے فرمایا کہ میں مدتوں شرع کے احکام جاری کر چکا ہوں اب مجھ کو اپنے خدا سے شرم آتی ہے کہ خلاف شرع احکام دوں اور انگریزوں کی ملازمت میں یہ ضروری ہوگا، اس نے کہا کہ نہیں میں ایسی صورت کروں گا کہ آپ کے متعلق احکام دینا نہ ہو اور کوئی خلاف شرع امر آپ سے متعلق نہ کیا جائے، آپ نے منظور فرمایا، وہ انگریز چلا گیا اور دوسرے دن پھر آیا اور اپنے ساتھ ایک مسلمان منشی کو لیتا آیا اور آپ سے عرض کیا کہ میں نے آپ کے لیے رجسٹراری کا عہدہ تجویز کیا ہے، جس کی آمدنی اس وقت چھ سات سو روپیہ ماہوار سے زائد تھی، آپ نے دریافت کیا کہ رجسٹراری کیا شے ہے اس نے آپ کو سمجھایا، اس کے بعد کہا کہ آپ کو کچھ زحمت نہ کرنا پڑے گی، ایک کمرہ دیدیجئے اس میں یہ منشی بیٹھ کر سب کام انجام دے لیں گے آپ کو چار بجے صرف رجسٹروں اور دستاویزوں پر دستخط کر دینا ہوں گے، رجسٹری کا دفتر آپ کے یہاں رہے گا ،آپ نے منشی کو نیچے کے ایک کمرہ میں بیٹھنے کی ہدایت کر دی، دوسرے دن سے کام شروع ہوگیا، یہ انگریز اس زمانہ میں ریاست اودھ کا فنانشل اینڈ جوڈیشیل کمشنر تھا۔ دوسرے دن جب منشی کام ختم کر چکا اور تمام دستاویزوں کو درج رجسٹر اور مکمل کر کے مفتی صاحب کے پاس دستخط کو لے گیا تو آپ نے دستاویزوں کو پڑھنے کا ارادہ کیا۔ منشی نے عرض کیا کہ آپ کو پڑھنے کی ضرورت نہیں میں نے دیکھ لیا ہے سب صحیح اور مکمل ہیں صرف دستخط فرما دیجیے، آپ نے فرمایا: یہ کیسے ممکن ہے؟ میرے دستخط تو بمنزلہ میری شہادت کے ہوں گے، جب تک پڑھ نہ لوں شہادت کیسے دوں۔ منشی نے عرض کیا کہ آپ کو اختیار ہے مگر اس کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ نے رجسٹر کھول کر دستاویزیں ملاحظہ فرمانی شروع کیں، اتفاقاً پہلی دستاویز ہی

سودی قرضہ کے متعلق تھی ،دیکھتے ہی غصہ سے چہرہ مبارک سرخ ہوگیا اور رجسٹر اٹھا کر دور پھینک دیا اور منشی سے کہا کہ ابھی یہاں سے نکل جاؤ، وہ متحیر ہوکر انگریز کے پاس گیا اور اس سے واقعہ بیان کیا۔ انگریز کو یقین نہیں آیا ،اس نے منشی سے کہا کہ ضرور تم نے کوئی نالائقی کی ہوگی ،اس نے جب اصرار سے انکار کیا تو وہ انگریز منشی کو لیے ہوئے دوسرے دن مفتی صاحب کی خدمت میں آیا ،آپ نے صورت دیکھتے ہی اس کو بھی ڈانٹنا شروع کیا اور فرمایا کہ کافر سے اس کے سوا اور کیا امید ہوسکتی تھی ،میری ہی غلطی تھی جو کافر کے کہنے میں آگیا اور زار و قطار رونا شروع کیا وہ انگریز بالکل ساکت بیٹھا رہا ،تھوڑی دیر کے بعد اس نے عرض کیا کہ آخر منشی سے کیا غلطی ہوئی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ سودی دستاویز پر میرے دستخط کرا رہا تھا جو گویا میری شہادت ہے ،حدیث شریف میں سود کے متعلق لکھنے والے اور گواہ سب پر لعنت آئی ہے ابھی تھوڑے زمانہ تک تو میرے دستخط خدا اور رسول کے احکام پر ہوتے تھے اب میرے دستخط سودی دستاویز پر ہوں گے۔ اس نے آپ سے بہت معافی مانگی اور عرض کیا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی میں اب ایسی صورت تجویز کروں گا کہ یہ زحمت بھی نہ رہے اور کسی غیر مشروع امر کی زحمت نہ پیش آئے ،آپ نے اس انگریز کے بے حد اصرار کے باوجود کسی طرح منظور نہ فرمایا۔ یہ انگریز اس کے بعد بھی کبھی کبھی مسائل دریافت کرنے حاضر خدمت ہوتا تھا۔

آپ کی تالیفات کثرت سے ہیں جو نہایت مفید و نافع ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) حاشیہ شرح سلم ملاحسن ،(۲) حاشیہ شرح سلم قاضی مبارک ،(۳) حاشیہ شمس بازغہ ،(۴) تکملہ حواشی ملاحسن بر شمس بازغہ ،(۵) حاشیہ طبیعیات شفاء ، (۶) حاشیہ شرح وقایہ ،اس کے علاوہ بخاری شریف اور بیضاوی پر متفرق تعلیقات ہیں۔

(۱۳) مولانا عبدالحکیم ابن مولوی عبدالرب ابن بحر العلوم ابن استاذ الہند علامہ نظام الدین محمد

وفات: ۱۲۸۷ھ

آپ کی کنیت ابوالبقا تھی۔ نہایت قابل و ذی استعداد عالم اور صاحب صلاح وتقویٰ تھے۔ کتب درسیہ اولاً اپنے والد ماجد نیز مولانا محمد دائم مرید مولانا انوار الحق سے

پڑھیں، مطولات مولانا نور الحق بن مولانا انوار الحق سے پڑھیں۔ ختم کتب کے بعد تدریس کی جانب توجہ فرمائی، آپ کا حلقہ درس بہت وسیع تھا، طلبہ کی کفالت بھی آپ نہایت فراخ دلی سے فرماتے تھے۔ عسرت وتنگدستی کے باوجود طلبہ کی خدمت سے دریغ نہ فرماتے۔ بیعت واجازت آپ کو حضرت شاہ نجات اللہ کرسوی مرید حضرت شاہ شاکر اللہ سندیلوی سے حاصل تھی۔ مدت العمر تدریس وتالیف کا سلسلہ جاری رکھا۔

آپ کا انتقال ۲۴/صفر ۱۲۸۷ھ کو ہوا۔

آپ کی بعض مشہور تصانیف حسب ذیل ہیں:

(۱) شرح ہدایۃ الصرف

(۲) حواشی حمد اللہ مکمل

(۳) مسیر الدائر شرح دائر

(۴) شرح منار

(۵) حاشیہ ہدایۃ الفقہ

(۱۴) مولانا نعمت اللہ ابن مولانا نور اللہ ابن ملا ولی ابن قاضی غلام مصطفیٰ ابن ملا اسعد

وفات: ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۳ء

مولوی صاحب نے اپنے والد ماجد اور اپنے چچا مفتی ظہور اللہ سے تحصیل علوم سے فراغت حاصل کی، بڑے عالم وفاضل ہوئے، آپ کے حالات میں آپ کے پوتے مولوی برکت اللہ ابن مولوی احمد اللہ نے ایک مستقل رسالہ تالیف کیا ہے۔ یہاں خیر العمل اور دوسرے تذکروں سے مولانا کے مختصر حالات قلمبند کئے جاتے ہیں۔ تحصیل علوم کے بعد مولانا نے اپنے والد ماجد کی حیات ہی میں خدمتِ علم شروع کر دی اور تمام علوم عقلیہ میں تبحر کامل حاصل فرمایا، خاص طور سے فنون ریاضی میں تو مولانا اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی تھے۔ مولانا میں چند خصوصیات ایسی تھیں کہ ان کے اوصاف کا جامع بقول صاحبِ خیر العمل علمائے فرنگی محل میں کوئی دوسرا نہیں ہوا:

آپ کا طرز تعلیم اور انداز تقریر ایسا دلنشیں تھا کہ بلید سے بلید طالب علم بھی کتاب کو سمجھ لیتا۔

مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواریؒ کا بیان ہے:

کہ میں نے مولانا کو دیکھا ہے، آپ جب بتیا صوبہ بہار میں تشریف رکھتے تھے تو کسی شخص کو آپ نے چند اسباق سے زیادہ نہیں پڑھائے مگر اتنا ہی پڑھانے سے آپ کے طالب علم کو وہ قوت حاصل ہو جاتی کہ اس کو پھر کسی دوسرے استاد کی حاجت نہ رہتی۔

مولانا نعمت اللہ کثیر المطالعہ تھے جس کتاب کو پڑھاتے اس کے تمام حواشی کو مطالعہ فرماتے اور ان کے مضامین آپ کی یاد میں رہتے۔ علاوہ کتب علمیہ کے لاتعداد اشعار اور قصے آپ کو ایسے یاد تھے کہ جب آپ کسی صحبت میں تشریف فرما ہوتے تو بڑے اور چھوٹے سب آپ ہی کی باتوں میں دلچسپی لیتے۔ ایک کمال آپ میں یہ تھا کہ مدت العمر کبھی خود آپ نے کسی کی غیبت نہیں کی اور جو کوئی دوسرا غیبت کرتا تو آپ اس کو روک دیتے ہمیشہ سچائی کے عادی تھے اور دیانت وامانت آپ کا شعار خاص تھا۔

لکھنؤ اور فیض آباد کا عہدۂ افتاء مدتوں آپ کے سپرد رہا اور آپ نے نہایت دیانت سے اپنے فرائض انجام دئے۔ غدر کے بعد عہدۂ افتاء سے جب آپ کنارہ کش ہوئے تو ریاست بڑودہ تشریف لے گئے اور وہاں حکیم محمد ہاشم موہانی کے یہاں تدریس کی خدمت پر مامور ہوئے۔ اس کے بعد ریاست بتیا میں راجہ بتیا کے یہاں مدرس ہو گئے اور آخر تک وہیں قیام رہا۔ اس عرصہ میں رامپور سے آپ کو نواب کلب علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے طلب کیا مگر آپ نے تشریف لے جانا منظور نہیں کیا۔ بتیا سے رخصت ہو کر وطن واپس آرہے تھے کہ بنارس میں پہنچ کر فالج میں مبتلا ہوئے اور ۳/محرم ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۳ء کو بنارس ہی میں انتقال ہوا اور حضرت شاہ طیب بنارسی رحمۃ اللہ علیہ کے مقبرے میں یا علی حزیں شاعر کی قبر کے قریب دفن ہوئے۔

مولانا نعمت اللہ کی کوئی مستقل تصنیف موجود نہیں ہے، مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواریؒ کا بیان ہے کہ آپ نے خود اپنے ہاتھ سے اپنی تالیفات تلف فرما دی تھیں۔ تمام کتب درسیہ بطور خاص کتب ریاضی پر متفرق تعلیقات اب تک باقی ہیں، جو مولانا عبدالحیؒ

اور چشمہ رحمت کالج غازیپور کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔

(۱۵) مولانا عبدالحلیم ابن عبدالحکیم ابن عبدالرب ابن ملا بحرالعلوم ابن علامہ نظام الدین محمد

ولادت: ۱۲۴۰ھ وفات: ۱۲۸۷ھ

آپ کی ولادت یکم جمادی الاولیٰ ۱۲۴۰ھ کو ہوئی۔ تاریخی نام مظہر الدین ہے۔ حفظ قرآن کے بعد کتب درسیہ اپنے والد ماجد اور مولانا نور کریم دریابادی سے پڑھیں اور فاتحہ الفراغ مولوی قدرت علی نواسہ مفتی محمد یعقوب سے پڑھا۔ بیعت واجازت اپنے والد ماجد سے تھی۔ اذکار واشغال کی جانب زیادہ توجہ رہی۔ تدریس وتالیف کی طرف توجہ کم رہی۔ آپ کے چھوٹے صاحب زادے نے آپ کا تذکرہ 'روضة النعیم فی خوارق مولانا عبدالحلیم' لکھا ہے جو طبع ہو چکا ہے۔ اس تذکرہ میں مولوی عبدالحلیم کے متعلق حسب ذیل عبارت ہے:-

'اثناء درس میں سبقاً سبقاً چند کتب مثل شرح وقایہ، شرح عقائد نسفی اور شرح جامی وغیرہ کی کے حواشی تحریر فرمائے اور فیض تدریس جاری رکھا۔ لیکن بلحاظ اخفاء تصنیف کی جانب التفات نہیں فرمایا۔ آخر زمانہ میں مریدین ومسترشدین کے اصرار پر 'وسائل البرکات فی اوراد الصلوٰات علیٰ سید الکائنات' تصنیف فرمائی اور اثنائے وعظ میں تفسیر بیضاوی کا حاشیہ تحریر کرایا'۔

آپ کی وفات بمرض ہیضہ ۱۵/شعبان ۱۳۰۰ھ کو شب میں بوقت نصف شب ہوئی۔

(۱۶) علامہ ابوالحسنات محمد عبدالحی ابن عبدالحلیم ابن امین اللہ ابن محمد اکبر ابن احمد ابوالرحم ابن محمد یعقوب ابن عبدالعزیز بن ملا سعید

ولادت: ۱۲۶۴ھ وفات: ۱۳۰۴ھ

سوانح حیات اور ابتدائی تعلیم

فخر المتاخرین علامہ ابوالحسنات محمد عبدالحی فرنگی محلیؒ کی ولادت ۲۷/ذی قعدہ ۱۲۶۴ھ کو اتر پردیش کے شہر باندہ میں ہوئی جہاں ان کے والد مولانا عبدالحلیم صاحبؒ

نواب ذوالفقار علی کے مدرسہ میں مدرس تھے۔ مولانا کی تربیت جس گھرانے میں ہوئی، اس میں صلاح وتقوی اور علم وعمل کی روشنی تھی۔ آپ کی والدہ ماجدہ نہایت درجہ متقی تھیں۔ مولانا نے اپنے ابتدائی حالات 'السعایة' کے مقدمہ میں یہ لکھے ہیں:

'میں نے پانچ سال کی عمر میں حفظِ قرآن شروع کیا۔ قدرت نے مجھ کو حافظہ کی قوت سے نوازا ہے، یہاں تک کہ مجھ کو بچپن کے واقعات خوب یاد ہیں۔ قرأتِ فاتحہ کی تقریب ایسے یاد ہے جیسے میں دیکھ رہا ہوں حالانکہ اس وقت میری عمر صرف پانچ سال تھی بلکہ وہ واقعات جو کہ تین سال کی عمر میں وقوع پذیر ہوئے، مجھ کو خوب یاد ہیں۔ میں نے حفظ قرآن حافظ قاسم علی لکھنوی کے پاس شروع کیا، ابھی میں ایک پارہ بھی ختم نہیں کر سکا تھا کہ میرے والد کو جونپور کا سفر درپیش ہو گیا، چنانچہ میں والدین کے ساتھ جونپور چلا گیا، وہاں میں نے حفظِ قرآن حافظ ابراہیم کے پاس شروع کیا۔ میرے والد ماجد بھی مجھ کو قرآن پڑھاتے تھے، جب میں حفظ قرآن سے فارغ ہوا اس وقت میری عمر دس سال تھی۔ دورانِ حفظ میں نے بعض فارسی کتب والد ماجد سے پڑھیں، خط بھی سیکھا۔ دس سال کی عمر میں نمازِ تراویح کی امامت بھی کی'

مولانا 'النافع الکبیر' میں رقم طراز ہیں:

'گیارہ سال کی عمر سے باقاعدہ علم حاصل کرنا شروع کیا اور سترہ سال کی عمر میں فراغت حاصل کی۔ اس دوران مختلف فنون کی درسی کتب پڑھیں مثلاً: صرف، نحو، معانی، بیان، منطق، حکمت، طب، فقہ واصولِ فقہ، علمِ کلام، حدیث، اور تفسیر وغیرہ۔'

مولانا نے تمام درسی کتب اپنے والد گرامی سے پڑھیں، صرف ریاضی کی بعض کتب اپنے والد کے ماموں حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب فرنگی محلی (متوفی ۱۲۹۰ھ) سے پڑھیں اور حساب اپنے والد ماجد کے شاگرد مولانا خادم حسین سے پڑھا۔

مولانا عبدالحی کے تعمق علمی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ ہر کتاب کو پڑھنے کے بعد اس کو پڑھانا شروع کر دیتے تھے۔ ایک جگہ خود لکھتے ہیں:

'میں جب بھی کسی کتاب سے فارغ ہوتا تو اس کی تدریس شروع کر دیتا تھا، اس

طرح اللہ کے کرم سے مجھ کو مکمل استعداد حاصل ہوگئی۔ کسی فن کی کسی بھی کتاب میں کوئی پریشانی باقی نہیں رہ گئی'۔

مولانا حرمین شریفین کی زیارت سے دوبار مشرف ہوئے۔ پہلی بار ۱۲۷۹ھ میں اس وقت جب آپ کی عمر ۱۵ سال تھی، یہ مبارک سفر والد ماجد کی معیت میں ہوا، اسی سفر میں آپ کی ملاقات شیخ العرب والعجم محدثِ عصر حضرت مولانا عبدالغنی دہلویؒ سے ہوئی جن کے درس حدیث میں جو کہ مسجد نبوی میں ہوتا تھا آپ نے پابندی سے حاضری دی۔ موصوف نے باپ و بیٹے دونوں کو اجازتِ حدیث سے نوازا۔ آپ کا دوسرا سفر حجاز ۱۲۹۲ھ میں ہوا۔

امتیازی خصوصیات:

۱- علامہ فرنگی محلی نے اپنی مختصر زندگی کا شاید ہر لمحہ کام میں صرف کیا۔ تضیع اوقات تو جیسے آپ کے نصابِ زندگی سے خارج تھی۔ اپنے خاندان کے بزرگوں سے میں نے خود سنا ہے کہ مولانا مرحوم جس کمرے میں مطالعہ فرماتے تھے اس میں چھ دروازے تھے، خدمت گار کو حکم تھا کہ ایک جوڑی چپل ہر دروازے پر رہے تاکہ کمرے سے نکلتے وقت چپل ڈھونڈھنے میں وقت ضائع نہ ہو۔ مولانا نے مطالعہ اور تصنیف و تالیف کے لئے وقت مقرر رکھا تھا، مغرب کی نماز سے لے کر آدھی رات تک مسلسل مطالعہ اور تصنیف فرماتے، اس دوران بجز نمازِ عشاء اور کوئی وقفہ نہیں ہوتا تھا، یہ آپ کا روز کا معمول تھا جس سے تھکتے نہ تھے۔

۲- دوسری خصوصیت آپ کی یہ تھی کہ آپ کو مطالعۂ کتب کا بہت شوق تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دنیا میں سب سے زیادہ جو چیز آپ کو محبوب ہے وہ کتابوں کا مطالعہ ہے۔ مولانا حفیظ اللہؒ لکھتے ہیں:

'میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ جب آپ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا تو لوگ بڑی تعداد میں تعزیت کے لئے حاضر ہوئے لیکن لوگوں کو یہ دیکھ کر حد درجہ استعجاب ہوا کہ آپ تدفین کے بعد مطالعہ کتب میں مشغول ہیں'۔

مولانا حفیظ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت مولانا عبدالحئی صاحب اکثر فرماتے تھے کہ 'جب میں مرض میں مبتلا ہوتا ہوں تو صحت کی علامت یہ ہے کہ مجھ کو مطالعہ کا شوق واپس آجائے'۔

اسفار مانع مطالعہ نہیں ہوتے تھے، دورانِ سفر مطالعہ کا شغل جاری رہتا تھا، سفر پر جاتے وقت کتب ہمراہ لے جاتے اور مسلسل مطالعہ فرماتے رہتے، یہاں تک کہ جب حج کے لئے حرمین تشریف لے گئے تو سفر کے دوران مطالعہ جاری رکھا۔ دورانِ تعلیم مختلف درسی کتب پر حاشیے تحریر فرمائے۔ یعنی یہ کام دس سال کی عمر سے سترہ سال کی عمر کے دوران انجام دیا۔ جب کسی درسی کتاب سے فارغ ہوتے تھے معاً بعد اس کا درس دینا شروع فرما دیتے تھے۔

اس طرح یہ ہوا کہ فن تعلیم میں آپ کو مہارت حاصل ہوگئی اور دور دراز سے طلبہ جوق در جوق آنے شروع ہو گئے۔ آپ کو درس دینے میں ایسی لذت حاصل ہوتی تھی جس کو لفظوں کا پیرہن نہیں پہنایا جا سکتا ہے۔ رفتہ رفتہ آپ کو درسی کتب حفظ ہو گئیں۔ آپ کے شاگرد رشید مولانا حفیظ اللہ بندویؒ لکھتے ہیں:

'آپ کو درسی کتب حفظ ہو گئی تھیں، درس کے دوران آپ کتاب پر نظر نہیں کرتے تھے۔ ہاں حدیث شریف کے درس میں کتاب پر نظر رکھتے تھے'۔

آگے لکھتے ہیں:

'آپ بڑی متانت سے درس دیتے تھے جس کی نظیر ملنی ممکن نہیں ہے، آپ بے حد مہذب تھے، ہر مسئلہ کو بہت خوبصورت طریقہ سے بیان فرماتے تھے۔ تمام طلبہ خاموشی سے آپ کی تمہید پھر تقریر کو سماعت کرتے تھے۔ اس کے بعد حاضرین کو اختیار ہوتا تھا کہ تنقیح یا تنقید کریں'۔

مولانا کو مطالعہ اور تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ نادر کتب اور مختلف علوم و فنون کی مطبوعات اور مخطوطات حاصل کرنے کا بیحد شوق تھا، یہی وجہ ہے کہ مولانا کی تصنیفات میں ایسی نادر کتابوں کے حوالے ملتے ہیں جن کا حصول آسان نہیں ہے۔

مطالعہ اس قدر انہماک اور استغراق کے ساتھ کرتے تھے کہ سلف کی یاد تازہ ہو جاتی تھے۔ مطالعہ کے دوران ذہن صرف اور صرف کتاب میں ہوتا تھا، اس سلسلہ میں ایک محیر العقول واقعہ پیش آیا جو بعد میں بڑا مشہور ہوا۔ ہوا یوں کہ ایک روز آپ کمرے میں مطالعہ کر رہے تھے کہ دورانِ مطالعہ پانی طلب کیا، ان کے والد حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب تشریف فرما تھے، ان کو فکر ہوئی کہ مطالعہ کے درمیان ذہن کسی اور طرف کیسے گیا،

معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہ پڑھے گا۔ حکم دیا کہ بجائے پانی کے انڈی کا تیل جو وہاں رکھا تھا دے دیا جائے۔ مولانا عبدالحئیؒ صاحبؒ نے گلاس منہ میں لگایا اور تیل پی گئے اور یہ احساس نہ ہوا کہ تیل ہے یا پانی، اس کے بعد پھر مطالعہ میں مشغول ہو گئے، ان کے والد کی فکر دور ہوئی اور کہا: امید ہے کہ پڑھ لے گا۔ والد صاحب چونکہ بہت بڑے طبیب بھی تھے اس لئے صاحبزادے کو دوا پلا کر تیل کا اثر زائل کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی کے اوقات میں بڑی برکت عطا فرمائی تھی۔ آپ بڑی بڑی جلدیں چند گھنٹوں میں پڑھ ڈالتے تھے۔ اسی طرح تصنیف و تالیف بھی سرعت کے ساتھ فرماتے تھے۔

'اقامة الحجة' میں جہاں ان ائمہ کرام اور علماء کا تذکرہ فرمایا ہے جنہوں نے کم عمری میں کثرت کے ساتھ تصنیف و تالیف کی، وہاں اپنا تذکرہ ان لفظوں میں کیا ہے:

'اور اس بندۂ عاجز کو مطالعہ اور تصنیف میں خوب لذت ملتی ہے۔ میں ضخیم جلدیں چند گھنٹوں میں پڑھ ڈالتا ہوں اور بعض راتوں میں تصنیف کے لئے مغرب سے بیٹھتا ہوں تو آدھی رات تک مشغول رہتا ہوں، اس دوران سوائے نماز عشاء کے وقفے کے اور کوئی وقفہ نہیں ہوتا۔ مجھ کو بالکل تھکان بھی محسوس نہیں ہوتی، اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔

۳- علامہ علیہ الرحمہ کی تیسری امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ ہر مسئلہ کی مکمل تحقیق فرماتے تھے۔ آپ کی جملہ تصانیف اس امر پر شاہد ہیں۔ قرآن، حدیث، آثار و فتاویٰ صحابہ و تابعین اور اقوال سلف سب سامنے رکھ کر کسی نتیجہ پر پہنچتے تھے۔ آپ کی نامکمل کتاب 'السعایة' جو شرح وقایہ کی مبسوط شرح ہے، فن تحقیق کا شاہکار ہے۔ اسی طرح 'امام الکلام، الرفع والتکمیل، الاجوبة الفاضلہ، الآثار المرفوعة' وغیرہ میں کمال تحقیق کا مظاہرہ ملتا ہے۔ آپ حنفی مذہب کے مقلد تھے جیسا کہ آپ کی تصانیف شاہد ہیں۔ لیکن اگر کسی مسئلہ میں نص صحیح مذہب حنفی کے خلاف ہوتا تو مولانا مرحوم حنفی مذہب کو اس مسئلہ میں ترک کر دیتے اور صحیح دلیل کو اختیار کرتے۔

آپ فروع اور اصول میں ابو حنیفہ کے مذہب پر کاربند تھے لیکن متعصب نہیں

تھے۔ ہمیشہ دلیل کی تلاش میں رہتے اور اگر کسی مسئلہ میں کوئی ایسی دلیل مل جاتی جو کہ صریحی طور پر مذہب ابو حنیفہ کے مخالف ہوتی تو آپ اس مسئلہ میں تقلید کو ترک کر دیتے۔

عادات وخصائل:

اللہ تعالی نے مولانا کو اخلاقِ حمیدہ سے متصف فرمایا تھا، مولانا حفیظ اللہ لکھتے ہیں:

'مولانا نے نہ کبھی اپنے ان معاصرین کی جن سے مناقشہ ومناظرہ تھا غیبت کی اور نہ کبھی ان کو توہین آمیز الفاظ سے مخاطب ہی کیا۔ جب مخالفین کی وہ باتیں جو وہ آپ کے متعلق کہتے تھے آپ تک پہنچتی تھیں تو آپ تبسم فرماتے تھے'۔

مولانا اکثر روزہ رکھتے اور رات کو پابندی سے تہجد ادا فرماتے۔ خاص متبرک دنوں میں یہ امر اور بھی شدت اختیار کر لیتا تھا۔ مولانا کثرت کے ساتھ اللہ کے جلالی اسماء کا ورد کرتے تھے۔ میں نے ایک ذاتی پریشانی سے خلاصی حاصل کرنے کے لئے جب کسی دعا کے لئے دریافت کیا تو مولانا نے درود شریف کثرت سے پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ مجھ کو خوب یاد ہے کہ جب مولانا کی والدہ ماجدہ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو والدہ نے دریافت کیا کہ اس وقت میں کیا پڑھوں؟ مولانا نے درود شریف پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ مولانا مرحوم دائم الصوم تھے۔ مجھ کو مولانا کے عظیم آباد کے سفر میں ہم رکابی کا شرف حاصل ہوا، یہ سفر وہاں کے لوگوں کی دعوت پر ہوا تھا تو میں نے دیکھا کہ پورے سفر میں دائم الصوم اور دائم الذکر تھے۔

مولانا وعظ میں نرم زبان اور مشفقانہ لب ولہجہ استعمال فرماتے تھے اور بیان میں میانہ روی رکھتے تھے، اسی کا اثر تھا کہ جو علماء علمی اختلاف رکھتے تھے وہ بھی مولانا کی محفل وعظ میں پابندی سے شریک ہوتے تھے۔ مولانا جب سیدنا حسینؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کا ذکر فرماتے تو خود بھی روتے اور حاضرین مجلس کو بھی رلاتے تھے۔ مؤثر اشعار کا صحیح استعمال فرماتے جس سے اثر انگیزی بڑھ جاتی اور کلیجہ منہ کو آجاتا۔ حق یہ ہے کہ مولانا طبعی طور پر ہر قسم کے محرمات اور لہو ولعب سے دور رہتے، یہاں تک کہ مکروہات سے حد درجہ گریز فرماتے۔

اس امر کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ جب آپ کے والد ماجد (مولانا عبد الحلیم صاحب فرنگی محلی جو حیدر آباد میں قاضی القضاۃ تھے) کا انتقال ہوا تو منصب قضاء آپ کو

تفویض ہوا لیکن آپ نے قبول کرنے سے اس لئے انکار کر دیا کہ اس میں بعض مکروہات میں ملوث ہونے کا اندیشہ تھا۔ حضرت نظام حیدر آباد کے بیحد اصرار کے باوجود آپ نے انکار فرمایا اور قناعت سے کام لیا۔ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے مولانا کو قبول فرمایا اور "آیۃ من آیات اللہ" بنایا۔ مولانا کے حصہ میں اعلیٰ سعادتیں اور کامرانیاں مقدر ہوئیں، آپ کی شہرت نقطہ عروج کو پہنچ گئی، ہر خاص و عام نے مولانا کے فضل و کمال کا اعتراف کیا۔

اس کی ایک مثال مولانا محمد نذیر حسین محدث دہلوی کا وہ قول ہے جو انہوں نے ایک مجمع میں مولانا کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:

'آپ اس دور میں عالم بے نظیر ہیں اور اس زمانہ میں یکتائے روزگار، اس صدی میں آپ نے وہ کارنامے انجام دیئے جو کسی اور سے نہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے کاموں اور زندگی میں برکت عطا فرمائے۔

مولانا عبد الحئیؒ کو زندگی میں ہی زبردست شہرت و مقبولیت حاصل ہو گئی تھی۔ ایک واقعہ اس امر کا ثبوت ہے، مولانا مرحوم نے ایک ہندو نوجوان کو مشرف بہ اسلام کیا۔ لیکن انگریز حکام نے اس معاملہ کو بڑھا چڑھا کر ایک ناخوشگوار مسئلہ بنا دیا اور مقدمہ قائم کر دیا۔ اس سلسلہ میں مولانا کو دربھنگہ سفر کرنا پڑا، مولانا جس جس شہر سے گزرتے، لوگ جوق در جوق شہر سے باہر آ کر آپ کا استقبال کرتے۔ جب مولانا دربھنگہ پہنچے تو لوگوں نے شہر سے باہر آ کر استقبال کیا۔ حکام نے جب یہ منظر دیکھا تو دعویٰ واپس لے لیا۔

اس سلسلہ میں مولانا عنایت اللہ صاحب فرنگی محلی لکھتے ہیں کہ:

حافظ قدرت اللہ جونپوری مرید مفتی محمد یوسفؒ نے مجھ سے کہا کہ جس زمانہ میں مولانا عبد الحئیؒ کے والد ماجد جونپور میں تھے مولانا حفظ قرآن فرماتے تھے اور ۷-۸ برس یا اس سے کچھ کم و بیش کا سن تھا۔ اس زمانہ میں مولانا نہایت بدشوق اور کھیل کود کی جانب مائل تھے، باوجود والد کی سخت کوشش کے کسی طرح پڑھنے کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے۔ والد ماجد آپ کی جانب سے مایوس تھے اور کہا کرتے تھے کہ افسوس میری بدقسمتی ہے کہ یہ لڑکا اس قدر بدشوق ہے، اب علم میرے خاندان سے چلا جائے گا۔

مزید حافظ صاحب کہتے تھے کہ اس کے بعد مولانا کے والد حیدر آباد چلے گئے۔ اس واقعہ کے ۲۵-۲۶ برس کے بعد جب مولانا پر ایک شخص کو مسلمان کرنے کی وجہ سے مقدمہ قائم ہو گیا تھا اور آپ کو اس وجہ سے صوبہ بہار تشریف لے جانا پڑا تھا۔ واپسی پر اہل جونپور کے بیحد اصرار پر مولانا نے ایک دن کے لئے جونپور میں قیام فرمایا تھا۔ جامع مسجد میں وعظ ہوا، حافظ صاحب کہتے تھے کہ جامع مسجد اور اس کے باہر جہاں تک نظر کام کرتی تھی لوگ مشتاقانہ کھڑے تھے۔ بعد وعظ جب مولانا پالکی پر سوار ہوئے تو ہر شخص اس تمنا میں ایک دوسرے پر گر پڑتا تھا کہ مولانا کی ایک مرتبہ زیارت ہی کر لے۔ مولانا کی پالکی کے گرد علماء مؤدب ساتھ ساتھ تھے۔ میں بھی مولانا کی جائے قیام پر پہنچا۔ مولانا سے اپنا تعارف کرایا، مولانا نے کھڑے ہو کر مجھ کو لپٹا لیا۔ میں نے مولانا سے ان کی گزشتہ زمانہ کی بدشوقی اور ان کے والد کی خفگی کا تذکرہ کیا، مولانا نے ہنس کے فرمایا کہ یہ محض خدا تعالیٰ کا احسان ہے کہ جو مجھ کو کچھ آ گیا، ذلك فضل الله يوتيه من يشاء۔

مرض وفات:

سطور ذیل میں مولانا حفیظ اللہؒ کی 'کنز البرکات فی سیرة مولانا أبی الحسنات' سے مولانا مرحوم کی وفات کا تذکرہ مختصر لفظوں میں اس طور پر نقل کیا جاتا ہے:

'مولانا مرحوم تین مرتبہ شدید مرض میں مبتلا ہوئے۔ پہلی مرتبہ دوسرے حج سے واپسی پر شدید بیمار ہو گئے، مرض اس قدر شدید تھا کہ زندگی سے مایوسی ہو گئی تھی، اسہال اور سوء ہضم کی شکایت میں مبتلا تھے، مرض تمام اطباء کی سمجھ سے باہر تھا، آخر کار شیعہ حکیم محمد باقر کی دوا سے افاقہ ہوا اور مرض جاتا رہا اور بحمد اللہ صحت یاب ہو گئے۔

پھر ایک زمانہ کے بعد حیدر آباد کا سفر در پیش ہوا۔ حیدر آباد میں بعض رشتہ دار مقیم تھے انہوں نے بے حد اصرار کے ساتھ دعوت دی۔ ابھی مولانا کو حیدر آباد تشریف لائے چند روز ہی گذرے تھے کہ اسہال اور سوء ہضم کی شکایت دوبارہ عود کر آئی۔ اس بار یہ مرض اس شدت کے ساتھ آیا کہ یہ گمان ہونے لگا کہ شاید مولانا کی قسمت میں حیدر آباد کی خاک لکھی ہوئی ہے۔ اہل حیدر آباد اور مولانا کے سب اعزہ واقارب شدید بے چین ہو گئے۔ مولانا

کی بیماری کی خبر سن کر مولانا کے سب سے خاص دوست بلکہ قریب ترین رفیق مولانا خادم حسین عظیم آبادی سفر کر کے حیدر آباد تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا کو صحت عطا فرمائی اور صحت اور قوت واپس حاصل ہوئی۔

مولانا واپس لکھنؤ تشریف لائے اور ایک سال قیام فرمایا، اس دوران علم دین کی خدمت میں مصروف رہے۔

تیسری مرتبہ مولانا مرحوم ۱۳۰۳ھ کے وسط میں بیمار ہوئے۔ شروع میں اسہال اور سوء ہضم کی شکایت تھی، پھر بیہوشی بھی طاری ہونے لگی، یہ بے ہوشی مختصر عرصہ کے لئے ہوتی تھی، لیکن بے ہوشی کی یہ شکایت جلدی جلدی ہونے لگی، پھر دردِ سر کی شکایت بھی پیدا ہوگئی، ماہر ترین حکیموں نے مولانا کا علاج کیا لیکن صحت میں بہتری واقع نہیں ہوئی۔ دن پر دن گذرے اور مولانا کی بیماری اپنی حالت پر رہی یہاں تک کہ ۱۳۰۴ھ میں ربیع الاول کا مبارک مہینہ شروع ہوگیا۔ اس ماہ کے آخر میں، اور یہ دوشنبہ کا دن تھا، مولانا نے دعوت دی جس میں اہل علم حضرات اور مولانا کے رشتہ داروں نے شرکت فرمائی، اس دعوت میں مزاح بھی فرمایا، دورانِ محفل مولانا نے فرمایا: "صحت بہت غنیمت چیز ہے، کس کو معلوم ہے کہ اس محفل کے بعد کون باقی رہتا ہے"۔ اس دعوت کے بعد پورا دن خیریت کے ساتھ گذرا۔

رات کو مولانا نے نماز عشاء گھر پر ادا کی، دورانِ نماز مولانا کو شدید دردِ سر لاحق ہوا، جو حضرات وہاں موجود تھے انہوں نے مولانا کو سنبھالا اور بستر پر لٹایا، لیٹنے پر مولانا کو کچھ سکون محسوس ہوا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد دو مرتبہ سر میں شدید درد ہوا، اس بار دل میں سخت بے چینی محسوس ہونے لگی، جب رات کا تیسرا پہر شروع ہوا اس وقت دل کی حالت اور خراب ہوگئی، اس حالت میں جب مولانا سے پوچھا گیا کہ کیا حال ہے؟ تو جواب دیا کہ سب اللہ کا شکر ہے لیکن جب پوچھنے والوں نے بار بار دریافت کیا تو عرض کیا کہ درد شدید ہے۔ اس کے بعد چند لمحوں میں روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ إنا للہ وإنا الیہ راجعون۔

جیسے ہی وفات کی خبر پھیلی لوگوں کا جم غفیر فرنگی محل میں جمع ہونے لگا۔ شروع میں لوگوں میں یہ بات پھیلی ہوئی تھی کہ مولانا کا سکتہ لاحق ہوگیا ہے۔ حضرات اطباء میں بھی

اس امر میں اختلاف ہوگیا کہ سکتہ کا عالم ہے یا کہ موت واقع ہوگئی ہے۔ یہاں تک کہ یہ امر یقینی ہوگیا کہ حقیقت میں علوم ربانی کا یہ آفتاب اب واقعی غروب ہوگیا ہے۔

بیس ہزار سے زائد مسلمانوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی، تین بار نماز جنازہ ادا کی گئی، پہلی نماز کی امامت مولانا محمد عبد الرزاق فرنگی محلی (متوفی ۱۳۰۷ھ) نے فرمائی، دوسری جماعت کی امامت مولانا عبد الوہاب فرنگی محلی نے فرمائی اور تیسری جماعت کی امامت مولانا عبد المجید فرنگی محلی (متوفی ۱۳۴۰ھ) نے فرمائی۔ جنازہ بعد نماز ظہر فرنگی محل سے روانہ ہوا لیکن اژدہام کثیر کی وجہ سے علمائے فرنگی محل کے آبائی قبرستان باغ مولوی انوار، جو کہ صرف دو میل کی مسافت پر ہے، پہنچتے پہنچتے شام ہوگئی۔ جنازہ میں عام مسلمانوں کے علاوہ بہت بڑی تعداد میں علماء صلحاء اور طلباء نے شرکت کی۔ ہر شخص کے چہرے پر شدید افسوس اور غم کے آثار نمایاں تھے۔ اکثر لوگوں کو بمشکل یقین آرہا تھا کہ مولانا مرحوم عین شباب میں اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔

مولانا عبد الحئی حسنیؒ 'نزھۃ الخواطر' میں لکھتے ہیں:

مولانا مرحوم کی وفات ۲۸/ربیع الاول ۱۳۰۴ھ میں ہوئی۔ وفات کے وقت عمر کل ۳۹ سال تھی۔ دفن اپنے خاندانی قبرستان میں ہوئے، میں نے بھی جنازہ میں شرکت کی۔ اژدہام اس قدر زیادہ تھا کہ اندازہ لگانا مشکل تھا، تین مرتبہ نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔

مولانا مرحوم کی قبر شریف پر سفید سنگ مرمر کا پتھر لگا ہوا ہے جس کے اوپر مولانا کے شاگرد رشید مولانا عبد العلی مدراسیؒ کا لکھا ہوا مرثیہ ہے:

سلامٌ علی عباده الذین اصطفیٰ

أیُّها الزّوار قف واقرأ علی هذا المزار

سورة الاخلاص والسبع المثانی والقنوت

فیه عبد الحی مولانا إمام العالمین

إنه علامة فی کل علم بالثبوت

أرخ الأسی أسیاً آسیّاً فی فوته

مـــات عبـد الـحـي و الـقيوم حي لا يمـوت

١٣٠٤ھ

مولانا عبد الحیؒ کا عقد ۱۲۸۲ھ میں مولوی مہدی ابن مفتی محمد یوسف کی بڑی صاحبزادی سے ہوا تھا۔ اللہ تعالی نے متعدد اولادوں سے نوازا مگر صرف ایک صاحبزادی زندہ بچیں، جن کا عقد مولوی محمد یوسف ابن مولوی قاسم ابن مولوی مہدی صاحب سے ہوا اور وہ صاحب اولاد ہوئیں۔

تالیفات وتصنیفات

مولانا کی کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی، لیکن مولانا کی اولاد معنوی (تلامذہ وتصانیف) کے سلسلہ میں اللہ تعالی نے بڑی برکت عطا فرمائی تھی، تلامذہ کی تعداد یقیناً ہزاروں میں ہوگی جن میں اپنے وقت کے بڑے بڑے علماء، محققین، مصنفین اور اصحاب درس شامل ہیں۔ اس وقت ان تلامذہ کا ذکر طوالت طلب ہوگا، البتہ آپ کی تصانیف، جو مختلف علوم وفنون پر مشتمل ہیں اور جن کی تعداد ڈاکٹر ولی الدین ندوی صاحب کی تحقیق کے مطابق (۱۲۰) ہے، کا ایک سرسری تذکرہ بے محل نہ ہوگا۔ ان تصانیف کے نتیجہ میں اللہ تعالی نے مولانا کو شہرت دوام بخشی ہے۔ مندرجہ ذیل گوشوارہ جو ڈاکٹر ولی الدین ندوی صاحب نے بڑی کاوش سے مرتب کیا ہے مولانا کی تصانیف کا اجمالی خاکہ پیش کرتا ہے:

نمبر شمار	علم/فن	تعداد تصانیف
۱	حدیث	۸
۲	عقائد	۴
۳	اصول فقہ	۱
۴	فقہ	۵۰
۵	فرائض	۱
۶	رقائق	۱

۷	سیرت	۲
۸	تاریخ وتراجم	۱۶
۹	موالیدووفیات	۳
۱۰	علم مناظرہ	۲
۱۱	منطق اور حکمت	۲۵
۱۲	نحو	۲
۱۳	صرف	۵
	میزان	۱۲۰

اس فہرست سے قاری بخوبی ندازہ کرسکتا ہے کہ مولانا کی نظر اسلامی علوم وفنون کے تمام شعبوں پر محیط تھی۔آپ کی جملہ تصانیف میں ہر مسئلہ کی حیرت انگیز درجہ تک تحقیق اور کمال کا علمی تعمق اور حسن ترتیب پایا جاتا ہے۔اس سلسلہ میں علامہ سید سلیمان ندویؒ رقم طراز ہیں:

'علامہ عبدالحیؒ نے ہندوستان میں تحقیق و تعلیق کتب کا ایک نیا اسلوب ایجاد کیا جس میں دو باتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

اوّل: کتاب کے شروع میں مقدمہ کا لکھنا اور عام طور پر اس میں شارح و ماتن کے سوانح تحریر کرتے اور اس موضوع پر اس وقت تک جو کتب لکھی گئی ہیں ان کا تعارف اور اسی طرح کی اور چیزیں تحریر فرماتے۔

دوم: ہر کتاب کی تحقیق اور تعلیق میں ایک سے زیادہ نسخے پیش نظر رکھتے اور ان نسخوں میں بہت دقیق موازنہ کرتے یہاں تک کہ ایک ایسا نسخہ تیار ہوجاتا جو صحیح اور محقق ہوتا۔آپ اسی پر اکتفا نہ فرماتے بلکہ کتاب کے شائع ہونے تک ہر ہر مرحلہ کی ذاتی طور پر خودنگرانی فرماتے تاکہ کسی قسم کی کوئی غلطی چھپائی میں نہ رہ جائے۔

مولانا مرحوم نے اپنی پہلی دو کتابیں امتحان الطلبه فی الصنیع المشکلة اور التبیان فی شرح المیزان علم صرف پر لکھیں۔اس وقت آپ کی عمر صرف ۱۲ سال کی تھی۔

آدمی کو حد درجہ استعجاب اس وقت ہوتا ہے جب اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مرحوم نے یہ تمام کتب ۳۹ سال کی عمر میں تصنیف کر لی تھیں۔ آپ کی عمر انتقال کے وقت ۳۹ سال ۴ ماہ کی تھی۔

عالم عرب کے مشہور محقق اور ممتاز عالم شیخ عبد الفتاح ابو غدہ لکھتے ہیں:

'جب بھی ان مؤلفین اور مصنّفین کا تذکرہ ہوگا جن کی تصنیفات پچاس یا سو سے زیادہ ہیں تو بغیر کسی شک وشبہ کے امام عبد الحئ اس میں سر فہرست اور پیش پیش ہوں گے، وجہ یہ ہے کہ آپ کی تصنیفات کی تعداد ۱۱۵ کے قریب ہیں۔ خاص کر جب اس کثرت کا موازنہ مرحوم کی مختصر عمر سے کیجئے تو کل ۳۹ سال تھی تو یہ اور زیادہ معلوم ہوتی ہیں۔

ذیل میں فن وائز مولانا کی جملہ تصانیف (۱۲۰) کے نام لکھے جاتے ہیں:

۱-حدیث:

١-الآثار المرفوعة فی الأخبار الموضوعة (عربی)

٢-الأجوبة الفاضله لأسئلة العشرة الكاملة (عربی)

٣-التعليق الممجد علیٰ مؤطا امام محمد (عربی)

٤-خير الخبر فی أذان خير البشر (عربی)

٥-الرفع والتكميل فی الجرح والتعديل (عربی)

٦- زجر الناس علی إنكار أثر ابن عباس (عربی)

٧-شرح الحصن الحصين (عربی)

٨-ظفر الأمانی فی مختصر الجرجانی (عربی)

۲-عقائد:

١- الآيات البينات علی وجود الأنبياء فی الطبقات :

٢-حاشيه علی حواشی الخيالی علی شرح العقائد :

٣-حاشيه علی شرح العقائد النسفيه :

۴-دافع الوسواس فی أثر ابن عباس

۳-اصول فقہ:

۱-حاشیہ علی التوضیح و التلویح

۴-فقہ:

۱-آکام النفائس فی أداء الأذکار بلسان الفارس (عربی)
۲-احکام القنطرۃ فی أحکام البسملۃ :
۳-افادۃ الخیر فی الاستیاک بسواک الغیر (عربی)
۴-الأفصاح عن شہادۃ المرأۃ فی الأرضاع (عربی)
۵-إقامۃ الحجۃ علیٰ أن الأکثار فی التعبد لیس ببدعۃ (عربی)
۶-امام الکلام فیما یتعلق بالقرأۃ خلف الامام (عربی)
۷-الانصاف فی حکم الاعتکاف
۸-تحفۃ الأخیار فی اِحیاء سنۃ سید الابرار
۹-تحفۃ الثقات فی تفاضل اللّغات
۱۰-تحفۃ الطلبۃ فی تحقیق مسح الرقبۃ
۱۱-تحفۃ الکملۃ علی حواشی تحفۃ الطلبۃ
۱۲-تحفۃ النبلاء فی جماعۃ النساء
۱۳-التحقیق العجیب فی التثویب
۱۴-تدویر الفلک فی حصول الجماعۃ بالجن و الملک
۱۵- تزویج الجنان بتشریح حکم شرب الدخان
۱۶-تعلیق علیٰ نور الایمان بزیارۃآثار حبیب الرحمٰن
۱۷-التعلیق علی القول الجازم
۱۸-جمع الغرر فی ردِّ نظر الدّرر

١٩-حاشية على الجامع الصغير :

٢٠-حاشيه هدايه

٢١-حسن الولاية بحل شرح الوقاية

٢٢-روع الاخوان عما محدثات آخر جمعة آخر رمضان

٢٣-رفع الستر عن إدخال الميت و توجيه إلى القبلة فى القبر

٢٤-زجر أرباب الريان عن شرب الدخان

٢٥-زجر الشبان و الشيبة عن ارتكاب الغيبة (اردو)

٢٦-سباحة الفكر فى الجهر بالذّكر (عربى)

٢٧-السعاية فى كشف ما فى شرح الوقاية

٢٨-السعى المشكور فى ردّ المذهب المأثور (اردو)

٢٩-ظفر الأنفال على حواشى غاية المقال

٣٠-عمدة الرعاية فى حل شرح الوقاية

٣١-عمدة النصائح فى ترك القبائح (اردو)

٣٢-غاية المقال فى ما يتعلق بالنعال

٣٣-غيث الغمام علىٰ حواشى إمام الكلام

٣٤-الفلك الدوّار فى رؤية الهلال بالنهار

٣٥- الفلك المشحون فى انتفاع الراهن و المرتهن بالمرهون

٣٦-قوت المغتذين بفتح المقتدين

٣٧-القول الأشرف فى الفتح من المصحف

٣٨-القول الجازم فى سقوط الحد بنكاح المحارم

٣٩-القول المنثور على القول المنشور

٤٠-القول المنشور فى هلال خير الشهور

٤١-الكلام الجليل فى ما يتعلق بالمنديل

٤٢-الكلام المبرم فی نقض القول المحقق المحکم (اردو)

٤٣-الكلام المبرور فی ردّ القول المنصور (اردو)

٤٤-مجموعة الفتاوىٰ

٤٥- نخبة الانظار فی تحفة الأخيار

٤٦-نزهة الفكر فی سبحة الذكر (عربی)

٤٧-النفحة بتحشية النزهة

٤٨-نفع المفتی والسائل بجميع متفرقات المسائل (عربی)

٤٩-هداية المعتدين إلى فتح المقتدين (اردو)

٥٠-الهَسهَسَة بنقض الوضوء بالقهقهة (عربی)

۵-فرائض:

١-تعليق على الشريفية شرح السراجيه (عربی)

٦-رقائق:

١-اللطائف المستحسنة بجمع خطب شهورالسنة

۷-سیرت وتراجم:

١-حسرة العالم بوفاة مرجع العالم

٢-درك المآرب فی شأن ابی طالب

۸-تاریخ وتراجم:

١-تبصرة البصائر فی معرفة الأواخر

٢-التعليقات السنية على الفوائد البهية

٣-تحفة الأمجاد بذكر خير الأعداد

٤-خير العمل بذكر تراجم علماء فرنگی محل

٥-دفع الغواية عمن يطالع شرح الوقاية

٦-رسالة أخرى فى تراجم السابقين من علماء الهند

٧-رسالة فى معرفة الأوائل

٨-طرب الأماثل بتراجم الأفاضل

٩-فرحة المدرسين بذكر المؤلفات والمؤلفين

١٠-الفوائد البهية فى تراجم الحنفيه

١١-مذيلة الدراية لمقدمة الهداية

١٢-مقدمة التعليق الممجد

١٣-مقدمة عمدة الرعاية فى حل شرح الوقاية

١٤-مقدمة الهداية :

١٥-النافع الكبير لمن يطالع الجامع الصغير

١٦-النصيب الأوفر فى تراجم علماء المأة الثالثة عشر

٩-موالیداوروفیات:

١-إبراز الغنى الواقع فى شفاء الغى

٢-تذكرة الراشد برد تبصرة الناقد

٣-تنبيه أرباب الخبيرة على مسامحات مؤلف الحطة

١٠-علم مناظرہ:

١-حاشية الرشيدية شرح الشريفية پر تعليق

٢-الهداية المختارية شرح الرسالة العضدية

١١-منطق اور حکمت:

١-الإفادة الخطيرة فى مبحث نسبة سبع عرض شعيرة

٢-تعليق الحمائل علىٰ تعليق السيد الزاهد المتعلق بشرح الهياكل

٣-التعليق العجيب لحل حاشية الجلال لمنطق التهذيب

٤-تعليق علىٰ حاشية الزاهد شرح التهذيب للدوانی

٥-تعليق علی حواشی الزاهد علی شرح المواقف

٦-تعليق علی حواشی الزاهد علی الرسالة القطبية

٧-التعليق النفيس علی خطبة شرح الموجز للنفس

٨-التعليقات علیٰ شرح الصدر الشيرازی لهداية الحكمة

٩-تكملة حل النفيس

١٠-حاشية بديع الزمان

١١-الحاشية علی شرح التهذيب لعبد اللّٰه البزری

١٢-الحاشية علی شرح ملا جلال لكتاب تهذيب المنطق

١٣-الحاشية علیٰ شرح الميبذی لهداية الحكمة

١٤-الحاشية علی الشمس البازغة

١٥-حل المغلق فی بحث المجهول المطلق

١٦-دفع الكلال عن طلاب تعليقات الكمال

١٧-علم الهدیٰ علی حواشی نور الهدیٰ

١٨-الكلام المتين فی تحرير البراهين

١٩-الكلام الوهبی فی حل بعض عبارات القطبی

٢٠-مصباح الدجی فی الوراء الهدیٰ

٢١- المعارف فی حواشی شرح المواقر

٢٢-مفيد الخائطين فی جواب من ردّ علی معين الغايصين

٢٣-ميسّر العسير فی مبحث المثناة بالتكرير

٢٤-نور الهدیٰ لحملة لواء الهدیٰ

٢٥-هداية الوریٰ إلیٰ لواء الهدیٰ

۱۲-نحو:

۱- ازالة الجمد عن إعراب اكمل الحمد

۲-خير الكلام فى تصحيح كلام الملوك ملوك الكلام

۱۳-صرف:

۱- امتحان الطلبة فى الصيغ المشكلة

۲-التبيان فى شرح الميزان

۳-تكملة الميزان

٤-چهار گل

٥-شرح تكملة الميزان

علامہ عبدالحیؒ علماء ومشاہیر کی نظر میں:

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے والد مؤرخ ہند مولانا عبدالحی حسنیؒ کی مماثلت مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلیؒ سے تین طرح سے تھی: ہم نامی، ہم عصری، ہم شہری، وہ نزهة الخواطر میں تحریر فرماتے ہیں :

'مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی بلا کے ذہین تھے۔ پاکباز، نرم دل اور زبردست خطیب تھے۔ علوم عقلیہ ونقلیہ میں تبحر علمی حاصل تھا، فقہ کے پیچیدہ اور مشکل مسائل سے بخوبی واقف تھے۔ تبحر علمی کے ساتھ ساتھ احکام کے نقل کرنے میں بھی مہارت تامہ تھی۔ آپ نے بکثرت مسائل تحریر فرمائے۔ فن فتویٰ میں آپ کی نظیر پورے ہندوستان میں نہیں تھی۔ ہر کونے سے لوگ آپ سے فتوے دریافت کرنے آتے تھے۔ ہر مکتب فکر کے علماء آپ کی علمی جلالت کے معترف تھے۔ آپ عجائب الزمن اور محاسن ہند میں سے تھے۔ آپ کی تعریف ہر شخص کرتا تھا اور آپ کے فضل وکمال کا ہر شخص معترف تھا'۔

مکہ مکرمہ میں حدیث وفقہ کے عالم شیخ محمد بن عبداللہ حنبلی فرماتے ہیں :

'میں نے ان (مولانا عبدالحیؒ) میں وہ اوصاف عالیہ دیکھے جن سے آنکھیں

ٹھنڈی ہوئیں، ان کا احادیث نبوی کا استحضار اور فقہی نصوص کا فہم وادراک اور مختلف علوم و فنون میں ان کی زبردست تحقیق تدقیق کو دیکھ کر دل مسرت سے لبریز ہوگیا'۔

نواب صدیق حسن خاں قنوجیؒ کے صاحبزادے جناب علی حسنؒ فرماتے ہیں:

کہ جب میرے والد ماجد کو حضرت مولانا عبدالحئی لکھنویؒ کی وفات کی خبر پہنچی تو آپ شدت غم سے دونوں ہاتھ سر پر رکھ کر سر کو جھکا کر دیر تک بیٹھے رہے، جب سر اٹھایا تو دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ آپ دیر تک مولانا عبدالحئی مرحوم کے لئے دعائے مغفرت فرماتے رہے اور فرمایا: 'آج علم کا آفتاب غروب ہوگیا'۔

نزھۃ الخواطر میں یہ بھی ہے کہ نواب صدیق حسن خاں کو جب مولانا عبدالحئی کی وفات کی خبر پہنچی تو آپ کو شدید افسوس ہوا۔ آپ نے اس رات کھانا نہیں کھایا اور نماز غائب ادا فرمائی۔ یہ اس وجہ سے کہ نواب صاحب کو مولانا عبدالحئی مرحوم کے علم و فضل کی قدر واعتراف تھا۔

مولانا فقیر محمد لکھتے ہیں:

'مولانا عبدالحئی لکھنوی بڑے پایہ کے فقیہ، محدث، فاضل بے نظیر تھے۔ آپ علوم معقول ومنقول کے جامع، اصول اور فروع میں کامل دسترس رکھتے تھے، آپ محققین کے لئے مثال تھے'۔

مولانا حفیظ اللہ لکھتے ہیں:

'مولانا عبدالحئی علوم آلیہ میں ماہر اور علوم عالیہ میں مکمل رسوخ رکھتے تھے، خاص کر فقہ اور علم رجال میں۔ آپ نے کثرت سے کتب تحریر فرمائیں۔

علامہ یوسف بنوریؒ لکھتے ہیں:

'وہ علماء ربانیین جو علوم روایت اور علوم درایت، معقول اور منقول کے جامع تھے اور ساتھ ساتھ تقوی، پرہیز گاری، انابت اور اخلاق فاضلہ سے متصف تھے، ان میں حضرت مولانا ابوالحسنات محمد عبدالحئی لکھنویؒ تھے'۔

علامہ عبدالحی الکتانی لکھتے ہیں:

'مولانا عبدالحیٔ ہندوستان میں علماء کے خاتم اور ہندوستان میں سب سے زیادہ لکھنے والے تھے، تحریر میں وسعت علم کے ساتھ ساتھ انصاف اور میانہ روی رکھتے تھے۔ عالی قسمت تھے، تھکاوٹ سے نا آشنا تھے۔ کثرت سے مطالعہ کرتے تھے، لیکن تھکتے نہ تھے۔ نہایت ذہین اور زبردست فہم کے مالک تھے۔ آگے لکھتے ہیں:- میں دُعا گو ہوں کہ اللہ مجھ کو ان کا صحیح جانشین بنائے اور یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ بعض چیزیں مجھ میں اور ان میں مماثلت رکھتی ہیں'۔

علامہ زاہد کوثر مصری لکھتے ہیں:

'مولانا عبدالحیٔ لکھنوی اپنے زمانے میں احادیثِ احکام کے سب سے بڑے عالم تھے'۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:

'مولانا عبدالحیٔ لکھنوی علامۃ الہند اور فخر المتاخرین تھے'۔

علامہ خیر الدین زرکلی لکھتے ہیں:

'مولانا عبدالحیٔ حدیث اور تراجم کے عالم، اونچے درجہ کے حنفی فقہاء میں تھے'۔

التعلیقات الحافلۃ میں شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ لکھتے ہیں کہ:

'فخر المتاخرین بڑے پایہ کے محقق، مصنف، محدث، فقیہ، اصولی، منطقی، متکلم، مؤرخ، مناظر اور نقاد تھے'۔

مکہ مکرمہ میں علامہ احمد بن زینی نے مولانا عبدالحیٔ کو حدیث کی اجازت دی تو یہ الفاظ لکھے:

'نجیب، ذہین اور ادیب نوجوان'

مولانا عبدالغنی صاحبؒ نے یہ اوصاف لکھے:

'فاضل ممتاز اور ذہین'

ایک ہم عصر مصری عالم و محقق، علامہ شیخ ابراہیم بن السمنودی مولانا کو یوں یاد فرماتے ہیں:

'مولانا عبدالحئیؒ لکھنوی میرے ہم عصر اور ہندوستان میں اس دور کے فاضل ترین عالم تھے۔ آپ علامۃ الزماں، شمس العرفاں، صالحِ کامل، عبقری اور فاضل تھے'۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

'فرنگی محل میں علمِ حدیث کی معراجِ کمال مولانا عبدالحئیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں ہوئی، مولانا مرحوم نے گو عمر کم پائی، مگر اسی مختصر زمانہ میں مرحوم کے درس وتدریس، تالیف وتصنیف اور تحقیق وتدقیق کے آوازہ سے نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیائے اسلام گونج اٹھی۔ اطراف ودیار سے علم کے طالب آپ کے آستانہ پر جمع ہوئے، معقول ومنقول کا یہ مجمع البحرین زندگی کے آخری لمحہ تک موجیں مارتا رہا۔ دوسرے علوم وفنون کے ساتھ تمام کتب حدیث کا درس بکمالِ تحقیق آپ کی درسگاہ میں ہوتا تھا'۔

(۱۷) مولانا عبدالرزاق ابن جمال الدین ابن علاءالدین ابن انوار الحق ابن احمد عبدالحق ابن مولانا محمد سعید

ولادت: ۱۲۳۶ھ مطابق ۱۸۲۱ء وفات: ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۸۹ء

مولانا عبدالرزاق کی ولادت ۲۳/ذی الحجہ ۱۲۳۶ھ کو مولانا انوارالحق کے انتقال سے چار ماہ بعد ہوئی، اسم گرامی حضرت استاذ الہند کے پیرومرشد سید عبدالرزاق بانسوی کے نام پر 'عبدالرزاق' رکھا گیا۔ تسمیہ مولانا محمد احمد نے پڑھایا۔ ابتدائی کتب مولانا محمد حامد بن مولانا محمد احمد اور مولانا نور کریم دریابادی سے پڑھیں، پھر متوسطات سے کتب درسیہ اپنے پھوپھا مفتی محمد اصغر بن مفتی ابوالرحم سے پڑھیں اور فاتحۃ الفراغ اپنے پھوپھی زاد بھائی مفتی محمد یوسف صاحب بن مفتی محمد اصغر سے پڑھا۔ آپ اور مولانا عبدالحئیؒ صاحب کے والد ماجد ہمدرس تھے۔ تکمیل درسیات کے بعد آپ کو والد ماجد مولانا جمال الدین کے پاس مدراس جانا پڑا۔ اور وہاں چار سال تک قیام کیا۔ اپنے والد اور شاہ محمد نتھر مدراسیؒ سے سلاسل چشتیہ اور سلاسل بحرالعلوم کی اجازت حاصل ہوئی۔ وطن واپس ہونے کے بعد آپ نے اپنے ماموں مولانا عبدالوالی کے دست حق پرست پر بھی بیعت کی اور اجازت وخلافت مرشد سے مرحمت ہوئی۔ کتب تصوف وسلوک پیرومرشد ہی سے پڑھیں۔ علم حدیث مرزا حسن علی محدث

ور مولانا حسین احمد ملیح آبادی شاگردان مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے اس کے بعد سلسلۂ تدریس وتالیف میں مصروف ہوئے۔ بیعت وارادت کے بعد زیادہ تر علوم شرعیہ کا درس فرماتے اور فقہ وحدیث کی جانب خاص توجہ تھی۔ قرات حافظہ بڑے غضب کا تھا۔

مولانا عبدالحئی رحمۃ اللہ علیہ نے 'عمدۃ الرعایۃ' کے مقدمہ میں مولانا کا حال یوں تحریر فرمایا ہے:

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے بچپنے سے تقویٰ وطہارت اور زہد وعبادت کے اس قدر واقعات خود میں نے ثقات کی زبان سے سنے ہیں کہ ان کا قدر مشترک متواتر ہے۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جو حضرت مولانا کے سلسلۂ ارادت میں داخل نہ تھے، بلکہ بعض تو ایسے بھی تھے جو مولانا سے رنجش رکھتے تھے۔ میرے بڑے بھائی جو مولانا سے بیعت رکھتے تھے بہت کثرت سے حضرت کا ذکر فرماتے تھے۔ میرے والدین میں سے کوئی بھی حضرت کے سلسلۂ ارادت میں داخل نہ تھے اور میری دادی جو اپنے جد امجد کی مرید تھیں اور حضرت مولانا سے عمر میں بڑی تھیں یہ سب کے سب حضرت مولانا کے مداح اور ان کے زہد وتقوی کے بے حد معترف تھے۔ اکثر اوقات جمال چچا (مولانا جمال الدین) کے یہاں سے خرچ نہ آتا اور کھانے پینے کی سخت تکلیف ہوتی مگر بھائی عبدالرزاق باوجود صغرسنی کے کبھی خرچ کے لیے ضد نہ کرتے اور فاقہ ہم لوگوں سے چھپاتے۔ میری والدہ جو فتحپور کی تھیں اور حضرت حافظ شاہ محمد اسلم خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت رکھتی تھیں حضرت مولانا سے اس قدر اعتقاد رکھتی تھیں کہ جب کبھی مشکلات میں مبتلا ہوتیں حضرت سے دعا کی التجا کرتیں اور مشکل حل ہوجاتی۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ سخت علیل ہوئے اور کوئی مرض اطبا کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ ضعف برابر بڑھ رہا تھا۔ بظاہر ہر وقت غفلت طاری رہتی تھی۔ غذا، دوا حلق سے نہیں اترتی تھی چالیس دن تک یہی کیفیت رہی ہر شخص آپ کی حیات سے مایوس تھا، ہزاروں اشخاص غنیمت سمجھ کر بیعت میں داخل ہو رہے تھے۔ میری والدہ اس زمانہ میں فیض آباد میں میرے والد ماجد کے پاس مقیم تھیں۔ جب حضرت مولانا کی حالت ان کو معلوم ہوئی تو میرے بڑے بھائی کو لے کر حاضر خدمت ہوئیں اور بڑے بھائی

کو حضرت کی بیعت میں داخل کرایا۔

میرے والد اکثر مولانا کے واقعات، جن میں کرامات کا ذکر نہیں ہوتا تھا، بیان فرمایا کرتے تھے۔ایک مرتبہ فرمایا کہ میں ممانی کے پاس (حضرت کی زوجہ) بیٹھا تھا کہ اسی اثناء میں حضرت کوٹھے پر سے نماز کے لیے نیچے تشریف لائے، ممانی صاحبہ نے مجھ سے فرمایا کہ اپنے ماموں سے کہو کہ خرچ بالکل نہیں ہے، بنیے کا پانچ روپیہ قرض ہوگیا ہے، اب آیندہ شاید وہ راشن نہ دے اور میرے پاس دوپٹہ بھی نہیں ہے، دس روپیے ہوں تو قرض ادا ہو، راشن آئے اور میرے کپڑے بن جائیں۔ حضرت مولانا سے جب میں نے عرض کیا تو ارشاد فرمایا کہ میرے پاس کہاں ہے خدا سے کہو۔ ممانی صاحبہ نے فرمایا کہ میں کیوں کہوں، خدا نے تو مجھ کو تمہارے حوالے کیا ہے تم کہو۔ حضرت مولانا یہ سن کر ساکت ہو گئے، باہر تشریف لے گئے، میں نماز کی غرض سے پیچھے پیچھے ساتھ ہولیا، حضرت مولانا انوارالحق کے کمرہ تک گیا تھا کہ ناگاہ ایک صاحب سامنے آئے اور حضرت مولانا سے سلام کر کے مصافحہ کیا اور کچھ روپیہ نذر کیا اور بغیر کوئی بات کہے ہوئے اُلٹے پیر واپس ہوئے، حضرت مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ یہ روپیہ لو اور اپنی ممانی کو دیدو اور کہو کہ دیکھو میرے خدا نے بھیجدیے میں نے گنے تو پورے دس روپیے تھے، دینے والے صاحب کو میں بالکل نہیں پہچانتا تھا اور مجھ کو یقین تھا کہ مولانا سے بھی ان سے کوئی سابقہ تعارف نہ تھا۔

مولانا کے ملفوظات بزبان فارسی مولوی انعام اللہ بن مولوی ولی اللہ صاحب نے تحریر کیے ہیں جن کا نام 'سفینۃ النجاۃ' ہے۔

حضرت مولانا کو آخرِ عمر میں نقرس کا مرض لاحق ہوگیا جس کی وجہ سے چلنے پھرنے سے بالکلیہ معذور ہو گئے تھے۔آپ کا انتقال ۲۵ رصفر ۱۳۰۷ھ دوشنبہ کو دوپہر سے قبل ہوا۔

مولانا کی تصانیف حسب ذیل ہیں: (۱) حاشیہ شرح وقایہ ناتمام (۱) منہج الرضوان فی قیام رمضان (۲) کشف القنات عن امورالاموات (۳) رسالہ مقامات صوفیہ کے بیان میں (۴) انوار غیبیہ وغیرہ۔

مولانا کا سلسلہ ارادت بہت وسیع ہوا، ہزاروں آدمی سلسلہ اردات میں داخل

ہوئے، فرنگی محل کے اکثر حضرات کو آپ سے بیعت تھی۔

(۱۸) شمس العلماء مولانا محمد نعیم ابن مولانا عبدالحکیم ابن عبدالرب ابن بحرالعلوم ابن علامہ نظام الدین محمد

وفات: ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۰ء

کتب درسیہ کی تحصیل از اول تا آخر اپنے والد ماجد سے فرمائی۔ ریاضی مولوی کمال الدین موہانی تلمیذ مولانا نعمت اللہ سے پڑھ کر فراغت حاصل کی اور زاہد یگانہ و عالم زمانہ ہوئے۔ آخر عمر تک سلسلۂ تدریس و تالیف بند نہیں ہوا۔ علوم فقہیہ میں کمال فن حاصل تھا اور استادانہ مہارت رکھتے تھے۔ آپ کے زمانہ میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ زہد و تقوی اور احتیاط میں اعلی درجہ پر فائز تھے۔ غیر معمولی وسعتِ نظر اور کمال علم کے باوجود معمولی استفتوں کا جواب بھی کتاب پر نظر ثانی کئے بغیر تحریر نہیں فرماتے تھے۔ باوجودیکہ زندگی نہایت عسرت سے بسر ہوتی تھی مگر کبھی دنیا کی جانب رغبت نہیں فرمائی اور نہ کبھی امراء و حکام سے خلاو ملا رکھا۔ آپ کے علم میں لائے بغیر معتقدین و محبین نے حکومتِ وقت سے 'شمس العلماء' کا خطاب دلا دیا، مگر اس سے نہ کبھی عزت و وجاہت کا فائدہ حاصل فرمایا اور نہ کبھی دربار میں تشریف لے گئے اور نہ کبھی سرکاری حکام سے ملاقات کی تکلیف فرمائی۔

مولانا ہر جمعہ کو مولوی حیدر علی کی مسجد میں وعظ کہتے تھے، نہایت آہستہ گفتگو فرماتے، شکل بڑی نورانی اور پاکیزہ واقع ہوئی تھی، آپ کی صحبت میں حاضرین کو دنیاوی اشغال سے غفلت اور یاد خدا کی جانب رغبت پیدا ہوتی تھی، باوجود ارباب دنیا سے قطع تعلق کے جو حاضر خدمت ہوتا اس سے اخلاق کریمانہ سے پیش آتے تھے۔ معاصر بزرگوں میں مولانا کی ذات فرنگی محل کی دیرینہ روایتوں کی حامل اور گزرے ہوئے بزرگوں کا نمونہ تھی۔

بیعت و اجازتِ ارشاد آپ کو اپنے والد ماجد سے حاصل تھی۔ تکملۂ خیر العمل میں ہے کہ حضرت امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی آپ کو مکہ مکرمہ میں سلسلہ چشتیہ میں اجازت حاصل ہوئی تھی۔ مولانا اسلم صاحب فرماتے ہیں کہ حاجی صاحب نے بھی آپ سے اجازت حاصل کی تھی۔ مولانا جب حج و زیارت سے مشرف ہوئے تو مدینہ منورہ کے

مشہور عالم سید امین رضوان نے مولانا سے سند حدیث حاصل کی تھی۔ آپ کے سلسلۂ بیعت میں ہزاروں اشخاص داخل تھے، خاص کر جوار کے بہت سے حضرات کو آپ سے بیعت تھی، آپ کی تالیفات بہت ہیں مگر مکمل نہیں ہوسکیں۔ آپ کی تالیف کردہ ایک کتاب 'تنقید الکلام' مطبوع ہے مگر افسوس کہ اب نایاب ہے۔

آپ کی وفات بمرض ہیضہ ۲۳؍ ربیع الثانی ۱۳۱۸ھ کو بوقت شب ہوئی اور حضرت استاذ الہندؒ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ سخت تپش اور گرمی کے باوجود ہزارہا آدمیوں نے جنازہ میں شرکت کی۔

(۱۹) مولانا عبدالوہاب ابن عبدالرزاق ابن جمال الدین ابن علاء الدین احمد ابن انوار الحق ابن احمد عبدالحق ابن مولانا محمد سعید

وفات ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۳ء

آپ مولانا عبدالرزاق کے منجھلے صاحبزادے تھے، اس وجہ سے فرنگی محل کی خواتین آپ کو منجھلے میاں کہتی تھیں۔ حفظ قرآن کے بعد کتب درسیہ از اول تا آخر والد ماجد سے پڑھیں۔ اشغال و اوراد اور تصوف کی تعلیم بھی اپنے والد ماجد سے پائی اور ان کی زندگی میں ہی زہد و تقوی اور فہم و فراست کی وجہ سے تمام لوگوں میں خاص عزت حاصل کرلی تھی۔ سلسلۂ تدریس و تالیف بھی جاری رکھا، فرنگی محل کے لوگوں کے علاوہ دوسرے تلامذہ بھی تھے۔ والد ماجد کے انتقال کے بعد ان کے جانشین ہوئے، سلسلہ تدریس موقوف کردیا اور سلسلہ رشد و ہدایت آخر تک جاری رہا۔ حضرت مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ سے قرابت داری، محبت اور دوستی کے تعلقات بہت گہرے تھے۔ نہایت متواضع اور منکسر المزاج تھے، ہر ایک کے ساتھ تعظیم و توقیر سے پیش آتے، اللہ تعالی نے تمام اصاغر و اکابر کے دل میں آپ کا رعب اور دبدبہ داخل کردیا تھا۔

آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

(۱) رسالہ جواز فاتحہ میں (۲) رسالہ ذکر حضرت غوثیت میں (۳) حاشیہ میر قطبی (۴) حاشیہ توضیح تلویح (۵) حاشیہ مثنوی شریف (۶) ہدایت المومنین۔

بیعت و اجازت آپ کو حضرت مولانا عبدالوالی رحمۃ اللہ علیہ سے تھی، پھر اپنے

والد ماجد کے ہاتھ پر تجدید بیعت فرمائی اوراجازت وخلافت حاصل کی۔ اپنے والد ماجد کے انتقال کے بعد حج وزیارت سے مشرف ہوئے، اور حرمین کے شیوخ حدیث سے اجازت حدیث حاصل فرمائی۔

آپ کا انتقال ۲/محرم ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۳ء کو بمرض طاعون ہوا۔

(۲۰) عبدالمجید ابن عبدالحلیم ابن عبدالحکیم ابن عبدالرب ابن مولانا بحرالعلوم ابن علامہ نظام الدین محمد فرنگی محلی

وفات ۱۳۴۰ھ

حفظ قرآن کے بعد کتب درسیہ اپنے چچا مولانا نعیم سے اور مولانا عبدالحیؒ سے پڑھیں اور فاتحہ الفراغ مولانا عبدالحی سے پڑھا، عالمِ ذی استعداد اور فاضل جید ہوئے۔ معقولات میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ مولوی فضل اللہ بن مولوی نعمت اللہ کے انتقال کی وجہ سے شعبہ علوم مشرقیہ عربی وفارسی، کیننگ کالج (لکھنؤیونیورسٹی) میں عربی زبان وادب کے مدرس کی جگہ خالی ہوئی تو اس جگہ پر مولوی عبدالمجید صاحب کا تقرر ہوا اور آخرِ عمر تک وہاں ملازمت رہی۔

آپ نے حکام میں نہایت اعزاز ورسوخ پیدا کرلیا تھا۔ شمس العلماء کا خطاب ملا تھا۔

ملازمت کی مصروفیات کے باوجود گھریلو تدریس کا مشغلہ بھی جاری رہا، مدرسہ عالیہ نظامیہ کے چند اسباق بھی آپ کے ذمہ تھے۔ مولوی صبغت اللہ صاحب اور مولانا ایوب صاحب نے آپ سے معقولات کا درس لیا تھا۔

جمادی الاولی ۱۳۴۰ھ میں سینہ میں درد کی شکایت سے انتقال ہوا۔

آپ کی خصوصی تصنیف 'شرح ہدایۃ الصرف' ہے۔

(۲۱) مولانا عبدالباری ابن عبدالوہاب ابن عبدالرزاق ابن جمال الدین ابن علاء الدین احمد ابن انوارالحق ابن احمد عبدالحق بن مولانا سعید

ولادت ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۸ء وفات ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۹۲۶ء

آپ کا اسم گرامی قیام الدین محمد عبدالباری تھا، آپ کی والدہ ماجدہ ملک العلماء

مولانا حیدر کی پوتی تھیں، آپؒ اوراستاذ الاساتذہ مولانا عبدالحیؒ حقیقی خالہ زاد بھائی تھے۔
آخری دور میں یہ دونوں خالہ زاد بھائی عزت وشہرت اور علم وکمال کے آفتاب و ماہتاب
تھے۔ ملا بحرالعلوم کے بعد ارباب فرنگی محل میں کسی کو ایسی شہرت، جو ہندوستان کے عوام
وخواص، علماء وأمراء، شہروں اور دیہاتوں سے گزر کر عرب وعجم تک پہنچی ہو، ان دونوں
بھائیوں کے سوا اور کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ بلکہ مولانا عبدالباریؒ اس امر میں تو اپنے تمام
اسلاف پر سبقت لے گئے تھے کہ ان کی شہرت دنیائے اسلام سے گزر کر یورپ کے قصورِ
سلطنت اور اربابِ سیاست تک پہنچ گئی تھی۔

تعلیم وتعلم:

اس آفتاب عزت وکمال کا طلوع ۱۰/ربیع الثانی ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۴/اپریل
۱۸۷۸ء کو ملک العلماء علامہ حیدر کی محلسرا کے ڈیرے سے ہوا۔ حسب معمول ساتویں دن
عقیقہ ہوا، اور جد امجد نے 'قیام الدین محمد عبدالباری' اسمِ گرامی تجویز کیا۔ سچ ہے: 'إن
أسماء بني آدم تتنزل من السماء' خدا نے اس نام کی برکت سے مولانا کو واقعی قیام
الملۃ والدین بنادیا۔ جب عمر مبارک پانچ سال کی ہوئی تو جد امجد کی خدمت میں رسمِ تسمیہ
خوانی ادا ہوئی، قرآن شریف حافظ حاتم علی صاحب اور بعد میں حافظ عبدالوہاب صاحب
نبیرۂ نواب ظہیر الدولہ مرحوم سے حفظ کیا، فارسی اور حساب وغیرہ کی تعلیم متفرق اساتذہ
سے حاصل کی، اس کے بعد کتب درسیہ کی تحصیل شروع ہوئی، ۱۳۱۸ھ میں درسیات کی
تحصیل سے فارغ ہوئے۔

ایک خاص بات یہ ہے کہ جس وقت سے کتب درسیہ کی تحصیل شروع کی ایک دن
بھی سبق ناغہ نہیں ہوا، درس میں ہمیشہ قاری ہوتے، پابندی کا یہ عالم تھا کہ آپ کی پہلی بیوی
کا انتقال ہوا، اس دن بھی دفن کے بعد حضرت مولانا سید عین القضاۃ حیدرآبادی کی خدمت
میں درس کے لیے حاضر ہوئے، مگر حضرت الاستاذ نے فضائل واجرِ صبر بیان فرماتے رہے
اور سبق موقوف رکھا۔

میزان سے لے کر متوسطات تک اکثر کتب حضرت مولانا عبدالباقیؒ سے پڑھیں۔ اس زمانہ میں، جب کہ مولانا عبدالباقی صاحب حج کیلئے تشریف لے گئے تھے، قطبی مع حاشیہ سید، میبذی، خلاصۃ الحساب، اقلیدس، تفسیر جلالین اور نفحۃ الیمن مولانا غلام احمد پنجابی سے پڑھیں، مطولات میں سے اکثر معقولات مثلاً شرح سلم علامہ حمداللہ سندیلوی، للقاضی مبارک، حواشی میرزاہد برعلامہ جلال و برامور عامہ، شرح مواقف، شرح ہدایۃ الحکمۃ للصدر الشیرازی، شمس بازغہ، شرح ملخص علامہ چغمینی، بست باب اصطرلاب، حاشیہ خیالی برشرح عقائد نسفی، اصولِ فقہ میں مسلم الثبوت مولانا عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں، میرزاہد رسالہ مع حاشیہ مولانا غلام یحیٰ اور دیگر مطول منقولات مولانا عبدالباقیؒ سے پڑھیں، ہدایہ اور صحیح بخاری باوجودیکہ مولانا عبدالباقی صاحب سے پڑھ چکے تھے، مگر حضرت مولانا سید عین القضاۃ حیدرآبادی نے اپنی مرویات کی مع مسلسلات وغیرہ کے اپنے سامنے پڑھوا کر اجازت عنایت فرمائی۔

مولانا جب اپنے والدین کے ہمراہ ۱۳۰۹ھ میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے تھے تو سید علی بن سید ظاہر وتریؒ نے مولانا کے والد ماجد کو جو اجازت حدیث عطا فرمائی تھی اس میں مولانا اور آپ کے بڑے بھائی کو بھی اجازت حدیث مرحمت فرمائی تھی، مولانا کے والد ماجد نے سید علی وتریؒ سے فرمایا کہ میرے اس بچہ نے تو ابھی تک عربی شروع بھی نہیں کی ہے، محدث موصوف نے فرمایا کہ میں نے ان کو تفاولاً اسی طرح سند دی ہے جس طرح حافظ ابن حجر عسقلانی نے حافظ سیوطی (رحمہما اللہ) کو اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ اس سفر میں مولانا کو سید امین رضوان اور سید محمد باشلی حریری سے بھی کتب حدیث و دلائل کی اجازت حاصل ہوئی تھی۔ ختم کتب کے بعد مولانا کو اپنے نانا مولانا نورالحسنین ابن ملک العلماء مولانا حیدر سے اجازت حدیث بسلسلہ سید عابد سندھی اور سید احمد دحلان حاصل ہوئی۔

زمانہ تحصیل ہی سے مولانا نے تدریس کا سلسلہ جاری فرما دیا تھا۔ مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی فرماتے ہیں کہ: ہم لوگوں کے اسباق اس زمانے میں ہوتے تھے جب مولانا خود 'حمداللہ' اور 'شمس بازغہ' پڑھتے تھے، اسی زمانے میں مولانا 'علامہ حسن' اور دیگر

کتب مطولہ کا بھی درس دیتے تھے، ایک مرتبہ مولانا سید عین القضاۃ حیدرآبادی نے آپ کے پاس ایک طالب علم کو صدرا پڑھنے کے لئے بھیجا، مولانا نے اس وقت تک خود صدرا کا درس لینا شروع نہیں کیا تھا، چنانچہ انہیں بڑا استعجاب ہوا، طالب علم سے فرمایا کہ کل سے آیئے گا، اس دن سبق کے وقت جو عصر کے بعد ہوتا تھا مولانا نے اپنے استاذ سے عرض کیا کہ آپ نے صدرا پڑھانے کے واسطے میرے پاس ایک طالب علم کو بھیجا ہے میں نے تو ابھی صدرا پڑھا بھی نہیں، مولانا نے ارشاد فرمایا کہ: ہاں مجھ کو معلوم ہے مگر تم پڑھاؤ انشاء اللہ اچھی طرح سے پڑھاؤ گے، تکمیل درسیات کے بعد اسباق کی بہت کثرت ہوگئی تھی، نماز فجر سے لے کر دس بجے تک اور ظہر کے بعد سے عصر تک اور اکثر اوقات شب کو بھی تدریس کا سلسلہ جاری رہتا تھا، کبھی کبھی تو پندرہ اسباق روزانہ کی نوبت آجاتی تھی، مولانا کی عادت تھی کہ شب کو تدریس کی کتابوں کا مطالعہ ضرور فرماتے تھے، کتابیں مطالعہ فرمانے میں اس درجہ مستغرق ہوتے کہ بعض اوقات رات کے دو اور تین بج جاتے۔ مولانا نے ایک لکڑی کا پلنگ بنوایا تھا، اس پر چمڑے کا نہایت سخت تکیہ رکھ کر بغیر کچھ بچھائے ہوئے لیٹتے اور سرہانے روشنی رکھ کر کتاب دیکھنا شروع کر دیتے، اکثر فرماتے کہ اس طریقہ سے نیند کم آتی ہے اور اگر آنکھ لگ جاتی ہے تو جلد کھل جاتی ہے، اس زمانے میں دوپہر کو کبھی قیلولہ نہیں فرماتے بلکہ مطالعہ کتب میں مصروف رہتے اور استفتوں کے جواب تحریر فرماتے۔ والد ماجد کی تاکید تھی کہ بغیر کتاب دیکھے ہوئے معمولی سے معمولی فتوی بھی تحریر نہ کرو۔ مولانا فرماتے تھے کہ میری عادت تھی کہ جواب لکھتے وقت کتابوں کے مقامات بالاستیعاب دیکھتا تھا اور حتی الامکان اس باب کے سب مسائل پر نظر ڈال جاتا تھا۔

سفر حج:

والد ماجد کے انتقال محرم ۱۳۲۱ھ کے بعد مولانا نے اپنی والدہ، بھائی اور استاذ کے ہمراہ حرمین اور عراق کا سفر فرمایا، ۲۳/ رجب ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۳ء کو وطن سے مع اہل وعیال روانہ ہوئے، پاسپورٹ نہ ملنے کی وجہ سے ایک ماہ بمبئی میں قیام کرنا پڑا اور آخر شعبان ۱۳۲۱ھ میں بمبئی سے بصرہ روانہ ہوئے، رمضان شریف میں بغداد پہنچے، بصرہ اور بغداد کے تمام متبرک مقامات کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ بغداد شریف کے صاحبزادے بے حد

عزت واحترام اور اخلاق سے پیش آئے اور حضرت نقیب الاشراف سید عبد الرحمٰن گیلانی زادہؒ نے سلاسل کے علاوہ سند حدیث بھی مرحمت فرمائی۔ بغداد کی حاضری کے بعد کربلا اور نجف اشرف کی حاضری کا ارادہ بھی تھا مگر وہاں بشدت وبا پھیلی ہوئی تھی اس لئے جانے کی اجازت نہیں ملی۔ چنانچہ بغداد سے حرمین کے لئے روانہ ہوئے اور شروع ذی الحجہ میں مکہ شریف پہنچے، وسط محرم میں مدینہ منورہ پہنچے، پورے سات ماہ وہاں حاضری رہی۔ اس اثناء میں سید علی وتریؒ سے حدیث اور ادب کی کتابوں کا باقاعدہ درس لیا، ان سے اور دیگر علماء سے اجازت اور اسناد حاصل کیے، نیز اس دوران بعض اہل مدینہ کو سبق بھی پڑھاتے رہے۔ شعبان ۱۳۲۲ھ کے وسط میں شب برات کے بعد مدینہ شریف سے روانہ ہو کر یکم رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ کو وطن واپس ہوئے۔ چونکہ مولانا کے بڑے بھائی کی علالت کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، اس لئے مولانا ان کے علالت تک بانسہ میں مقیم رہے۔

خاندانی ذمہ داریاں

بھائی کے انتقال کے بعد مولانا کی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی تھیں۔ والدہ محترمہ اور بھاوج کی خدمت کے علاوہ یتیم بھتیجے کی تعلیم وتربیت کے فرائض بھی مولانا کے ذمہ عائد ہوگئے تھے۔ اس کے علاوہ بڑے بھائی کی موجودگی میں مولانا سجادگی کے فرائض سے ایک حد تک سبکدوش تھے، مگر بھائی کے انتقال کرتے ہی یہ بوجھ بھی مولانا کی ذات پر آپڑا۔ مگر حق یہ ہے کہ ان تمام امور کو نہایت خوبی اور کمال ذمہ داری سے جس طرح مولانا نے انجام دیا وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ سفر حج سے واپسی کے بعد جب مولانا کو ذرا فرصت ہوئی تو پھر خاندانی مشاغل کی طرف توجہ فرمائی۔ واقعہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں علوم ظاہری وباطنی میں مہارت رکھنے والی کوئی ایسی ممتاز ہستی موجود نہ تھی جس پر طبقہ علماء اور متصوفین یکساں اعتماد کرتے ہوں۔

مولانا نعیم اور مولانا عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہما کے بعد عام طور پر یہ خیال پیدا ہوگیا تھا کہ اب فرنگی محل علم اور سلوک دونوں اعتبار سے تہی دست ہے اس لیے مولانا کو دونوں جانب اپنی توجہ اور اپنے اوقات کو صرف کرنا پڑا، اگر شب کو وہ زاہد شب زندہ دار تھے تو صبح کو اپنے محترم خالہ زاد بھائی حضرت مولانا عبدالحئیؒ کے بہترین جانشین۔

مولانا نے فرنگی محل کے اطفال کے لیے بالخصوص اور عام مسلمان بچوں کے لیے

بالعموم ۹/ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۱۴ء (یوم وفات حضرت استاذ الہند) کو مدرسہ نظامیہ کی داغ بیل ڈالی اور اس میں جدید طریقہ تعلیم کو رائج فرمایا۔

سیاسی و ملی زندگی

ایک زمانہ تک مدرسہ نظامیہ ہی مولانا کا مرکز توجہ بنا رہا۔ جب مدرسہ کی جانب سے کسی حد تک اطمینان ہوا تو اتفاق سے سانحہ جنگ بلقان کے بعد مسجد کانپور کا واقعہ اور پھر ترکوں کے ساتھ لائڈ جارج کے شرمناک مظالم کے ایسے پے در پے واقعات پیش آئے جنھوں نے عالم اسلام میں تلاطم پیدا کر دیا اور صاف نظر آنے لگا کہ یورپ کے اقتدار پسند اور اسلام کے دشمن مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر مولانا نے علماء حقانی کی روایت پر عمل کرتے ہوئے نہایت دلیری اور بے خوفی سے ملی و سیاسی میدان میں قدم رکھا اور بالترتیب انجمن خدام کعبہ، خلافت کمیٹی اور جمعیۃ العلماء کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں ہے کہ جمعیۃ العلماء اور خدام کعبہ کے بانی ومؤسس حضرت مولانا عبد الباریؒ ہی تھے۔ اور مجلس خلافت کو ہندوستان کے تمام اہل اسلام کی عوامی تحریک بنانے میں مولانا کا قدم سب سے آگے تھا۔

خلافت کمیٹی کے ابتدائی انتظامات و مصارف آپ ہی کے مبارک ہاتھوں سے انجام پائے۔ خلاصہ کلام یہ کہ ان تمام تحریکات میں دامے درمے قدمے سخنے مولانا کا جو حصہ رہا ہے اس سے مسلمانان ہند کی ملی و اجتماعی سے دلچسپی رکھنے والے حضرات بخوبی واقف ہیں۔

ہندو مسلم اتحاد:

مولانا کی قومی اور ملی خدمات ہی کا ایک رخ یہ بھی ہے کہ طبقہ علماء میں سب سے پہلے ہندو مسلم اتحاد کی عملی کوشش مولانا ہی کی جانب سے ہوئی، اور اس نے اس حد تک ترقی کی کہ بارہا گاندھی جی اور ان کے دیگر غیر مسلم رفقائے کار "محلسرا" میں مولانا ہی کے مہمان رہے۔

سیاسی و ملی زندگی کی ان مصروفیات میں مولانا کا انہماک اس قدر بڑھا ہا تھا کہ اکثر دن بھر اور رات کے دو ثلث حصوں میں انھیں امور پر عملی توجہ مبذول رہتی۔ خلافت

کمیٹی کی امداد کے سلسلے میں مولانا نے اپنے ذاتی مصارف سے تمام ہندوستان کا یا تو خود سفر فرمایا یا اپنے بھائیوں اور بھتیجوں کو بھیجا۔ خود تقریباً ہر دوسرے مہینہ بمبئی کا سفر فرماتے، بہرحال عمر کا آخری حصہ مولانا نے اسی جہاد میں بسر فرمایا۔ لیکن حیرت ہے کہ ان مشاغل کے باوجود عبادت و ریاضت اور خدمت علم میں کبھی کوتاہی نہیں فرمائی۔ مدت العمر سفر و حضر میں کبھی بھی جماعت کے ساتھ نماز ناغہ نہیں ہوئی۔ ہمیشہ سفر میں محض ضرورت جماعت کے لیے دو آدمی ہمراہ لے جاتے۔ رمضان المبارک میں شب و روز میں کبھی دو اور کبھی کچھ کم وبیش قرآن شریف ختم فرماتے، اور سوائے دو تین گھنٹوں کے بالکل آرام نہ کرتے۔

زہر خورانی اور وفات

وفات سے چند سال پیشتر مولانا کو زہر استعمال کرادیا گیا تھا جس کا اثر فوراً معلوم ہو جانے پر مداوا کیا گیا مگر فائدہ نہیں ہوا، اس کے بعد سے مولانا کے مزاج میں حدت پیدا ہوگئی تھی اور گرمی نیز گرم اشیا کا تحمل بالکل باقی نہیں رہا تھا۔ وفات سے پیشتر تقریباً سات آٹھ سالوں سے سوائے ٹھنڈی چیزوں کے گرم اشیاء کا استعمال بالکل نہیں فرماتے تھے۔ شدید جاڑوں میں بھی انار، سنگترہ، امرود اور میٹھا نیبو استعمال فرماتے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جسم میں بلغم کی زیادتی ہوگئی تھی۔

۲/ رجب ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۷/ جنوری ۱۹۲۶ء روز یکشنبہ کو تقریباً پونے چار بجے، جب مولانا نماز عصر کی تیاری فرما رہے تھے، دفعتاً داہنے جانب فالج کا شدید حملہ ہوا جس نے ہوش وحواس زائل کر دئے، فوراً علاج شروع ہوا اور حکیم کمال الدین صاحب اور حکیم عبدالحسیب صاحب نے معمول کی تدابیر اختیار کیں۔ مغرب کے بعد سے انگریزی علاج شروع ہوا اور ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب اور ڈاکٹر عبدالحمید صاحب نے نہایت محنت اور توجہ سے علاج کیا۔ دوران علاج ہنٹر صاحب سول سرجن کو بھی ان دونوں صاحبوں نے لا کر دکھایا مگر افسوس کہ کچھ فائدہ نہ ہوا۔

قطب میاں صاحب کو آپ چار دن پہلے عرس میں شرکت کے لئے اجمیر بھیج چکے تھے اور خود بھی ۳/ رجب کو روانہ ہونے والے تھے۔ قطب میاں صاحب کو آپ کے مرض

کی بذریعہ تار اطلاع دی گئی، انہوں نے فوراً واپسی کا سفر شروع کر دیا اور وفات سے چند گھنٹے پہلے پہونچ گئے۔ فالج کے اثر سے مولانا کے ظاہری حواس زائل ہو چکے تھے مگر اس پر بھی نماز کے اوقات میں آخر وقت تک قبلہ رخ ہو کر بایاں ہاتھ اٹھا کر نماز میں مشغول ہو جاتے۔ قطب میاں صاحب کے آنے پر سید شاہ ممتاز احمد نے پکار کر فرمایا کہ قطب میاں صاحب آ گئے ہیں۔ قطب میاں کو سینے سے لگا کر پیٹھ پر دو تین مرتبہ تھپ تھپایا۔

۴/ رجب المرجب ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹/ جنوری ۱۹۲۶ء روز سہ شنبہ (شب چہار شنبہ) تقریباً سوا گیارہ بجے شب کو حضرت نے جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

خبر پھیلتے ہی شہر بھر میں ایک تہلکہ اور کہرام برپا ہو گیا، صبح کو فجر بعد سے غسل شروع ہوا اور ۱۰/ بجے کے قریب جنازہ تیار ہو کر پہلے حضرت مخدوم شاہ مینا قدس سرہ کے مزار پر لے گئے اور وہاں حضرت قطب میاں نے نماز جنازہ پڑھائی، اس کے بعد باغ مولانا انوار سے متصل سڑک پر دوبارہ نمازِ جنازہ مولوی وہاج الحق نے پڑھائی۔ نماز میں شرکت کرنے والوں کی تخمینی تعداد ۲۵-۳۰ ہزار سے زائد تھی۔ اس دن عام مسلمانوں کی دوکانیں، تمام اسلامی مدارس اور سرکاری منڈیاں سب بند تھیں۔ تقریباً سوا ایک بجے تدفین ہوئی، مٹی دینے کا سلسلہ دوسرے دن تک جاری رہا۔ دوسرے دن سے قرآن خوانی کا سلسلہ شروع ہوا اور ہندوستان کے اکثر مدارس اسلامی میں قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا۔ ندوۃ العلماء اور مدرسہ فرقانیہ کے علاوہ دیوبند کا مشہور مدرسہ بھی انتقال کی خبر پاتے ہی بند کر دیا گیا اور وہاں ختم قرآن اور ختم بخاری شریف کیا گیا۔ گاندھی جی اور دیگر تمام لیڈروں نے تعزیت کے تار بھیجے اور بعض خود بھی تعزیت کے واسطے آئے۔ مولانا محمد علی صاحب دوسرے ہی دن آ گئے تھے، تین دن تک مقیم رہے۔ اعلیٰ حضرت ہز ہائنس نواب صاحب رامپور تار بھی بھیجا اور خود بھی تعزیت کے واسطے فرنگی محل تشریف لائے۔

ہندوستان کے تمام اسلامی اور قومی اخبارات نے مولانا کے انتقال پر تعزیتی مضامین اور اداریے لکھے اور شعراء نے بکثرت مرثیے کہے اور وفات کی تاریخیں نظم کیں۔ ذیل میں ہم مولانا سید سلیمان ندویؒ کا مضمون درج کرتے ہیں جس سے علمی، دینی اور

سماجی زندگی میں مولانا کی عظمت اور اہمیت پر بھرپور روشنی پڑتی ہے:

فرنگی محل کی آخری شمع بجھ گئی

آہ! مولانا عبدالباری!

وما کان قیس هلکه هلك واحد
ولکنه بنیان قوم تهدما

قیس کا مرنا صرف ایک آدمی کا مرنا نہیں ہے
بلکہ قومی زندگی کی پوری عمارت کا منہدم ہوجانا ہے

دریغا! کہ آج قلم کو اس مجسمۂ علم واخلاق کا ماتم کرنا ہے جس کے وصف ومدح کا فرض اس کو بارہا ادا کرنا پڑا ہے۔ دارالعلم والعمل کی کہنہ عمارتوں میں فضل وکمال، اخلاق وایمان اور زہد وورع کی جو آخری شمع جل رہی تھی وہ ۱۹-۲۰ (جنوری ۱۹۲۶ء) کی درمیانی شب میں ہمیشہ کے لیے بجھ گئی، فرنگی محل کے متاخرین میں حضرت استاذ استاذی مولانا عبدالحئیؒ کے بعد مولانا عبدالباریؒ کی ذات نمایاں ہوئی تھی، جو بزرگ اجداد کی بہت سی روایات کی حامل تھی۔ ارشاد وہدایت، وعظ ونصیحت، درس وتدریس، تلاش ومطالعہ، تحریر وتالیف ان کے روزانہ مشاغل تھے، ان دینی وعلمی مناقب کے ساتھ دین وملت کی راہ میں انکا جاں فروشانہ جذبہ اور مجاہدانہ اخلاص ہمرنگ شہداء تھا، ذاتی اخلاق، جود وسخا، تواضع وانکسار، علم کی عزت، صداقت وحق گوئی ان کے اوصاف گرانمایہ تھے، وہ بیکسوں کے ملجا، مسافروں کے ماویٰ اور تنگدستوں کے دستگیر تھے، عبادت گزار، شب زندہ دار اور حق کے طلبگار تھے، ہندوستان میں ان کی ذات ذی اقتدار علماء کی حیثیت سے اس وقت فرد تھی، جدید تعلیم یافتوں کی سیاسی جدوجہد کو مذہبی تحریک بنادینا یقیناً انہیں کا کارنامہ شمار کیا جائے گا اس لیے ان کی یہ غیر متوقع موت صرف فرنگی محل نہیں بلکہ اسلام کا سانحہ ہے، اور بنابریں ان کی جوانامرگی ہمیشہ کے لیے تاریخ اسلام کا ایک اندوہناک واقعہ شمار ہوگا، شمع بجھ گئی مگر اس کے دھوئیں کی سیاہی سے جریدۂ عالم پر یہ ہمیشہ لکھا نظر آئے گا۔

رفتم وازرفتنِ من عالمے تاریک شد
من مگر شمعم چوں رفتم بزم برہم ساختم

مولانا مرحوم کا سن غالبًا سینتالیس کے قریب ہوگا، مولانا عبدالحئی صاحب کے شاگردِ خاص مولانا عین القضاۃ صاحب سے لکھنؤ میں تحصیل کی، پھر حجاز گئے وہاں حدیث کی سند لی، ملک شام کا سفر کیا، علماء سے فیض اٹھایا، مدینہ منورہ سے ہندوستان واپس آئے اور خدام کعبہ میں پر جوش شرکت کی، پھر مجلسِ خلافت اور جمعیۃ العلماء کی تاسیس میں حصہ لیا، ترک موالات کے علمبردار بنے۔ دوسری طرف فرنگی محل میں مدرسہ نظامیہ کے نام سے ایک باقاعدہ مدرسہ عربیہ کی بنیاد ڈالی اور اس کو ایک باقاعدہ مدرسہ بنایا جس سے متعدد اصحاب فکر اور اہل قلم پیدا ہوئے، انھوں نے اپنے بعد اپنی تالیفات وتصنیفات کی فہرست یادگار چھوڑی ہے، وہ فقہ حنفیہ کے پرجوش حامی تھے اور ان کی قلمی وعلمی کوششیں زیادہ تر اسی کے متعلق صرف ہوتی رہیں، ان کی چھوٹی بڑی تصنیفات ورسائل کی فہرست ایک سو کے قریب ہوگی جن میں سب سے زیادہ مفید وکارآمد ان کی اردو تفسیر تھی جو افسوس کہ ناتمام رہی، امام محمدؒ کی سیر کبیر کا کام بھی ان کے پیش نظر تھا، علم حدیث میں بھی ان کے ایک دو رسالے ہیں، افسوس کہ یہ چشمۂ فیض ہمیشہ کے لیے خشک ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون. (معارف نمبر۱، جلد۱۷، بابت جنوری ۱۹۲۶ء)

تصانیف

مولانا کی تصانیف کی فہرست حسب ذیل ہے:

تفسیر:

(۱)فیض القادر تفسیر آیۃ الغافر، (۲)بیان القرآن، (۳)الطاف الرحمن بتفسیر القرآن

حدیث:

(۱)الآثار المحمدیہ، (۲)الآثار المتصلہ، (۳)الدرۃ الباھرہ فی

الاحاديث المتواتره، (٤)شفاء الصدور، (٥)راحة الفؤاد، (٦)الارشاد فی الاسناد، (٧)الباقیات الصالحات، (٨)الهیاکل المعنویه فی شمائل النبویه، (٩)اربعین حدیث(٣ عدد)، (١٠)آثار الامامة، (١١)الاربعین الزاجرة فی الحوادث الحاضره، (١٢)المذهب المويد بماذهب اليه احمد، (١٣)الهدية الطيبه لصلة ابن ابی شيبه، (١٤)الذب عن ابی حنيفه بما طعن به ابن قتيبه

اصول فقہ:

(١)ملهم الملكوت شرح مسلم الثبوت، (٢)نهاية الانكشاف فی دراية الاختلاف، (٣)اعجاز الابصار، (٤)شرح المنار

فقہ:

(١)الانصاف فی الاوقاف، (٢)الدرر الفاخرة للذرية الطاهره، (٣)العمل المغفور، (٤)رحمة الغفور، (٥)خير الزاد، (٦)الفيض الرحمانی، (٧)قرة العين، (٨)حيات اولی الالباب، (٩)الحظر، (١٠) رساله فی تحقيق الجزيه، (١١)احقاق السماع، (١٢)احسن القربات، (١٣)رجم الشيطان، (١٤)غاية المامول، (١٦)القول المؤيد، (١٧) كشف الحال، (١٨)طعن السنان، (١٩)التعليق المختار، (٢٠)رساله فی مسائل الطهارة، (٢١)ذب الطاعنين، (٢٢)خير الدعا، (٢٣)الحرز المسنون، (٢٤)رحمة الامة، (٢٥)صرع الجان ، (٢٦)فتاوى قيام الملة والدين، (٢٧)تعليق الازهار، (٢٨)البيان المسلم فی ترجمة الكلام المبرم فی نقص القول المحكم، (٢٩)العمل الماجور بترجمة المبرور فی رد القول المنصور، (٣٠)الحج المغور بترجمة السعی المشكور فی رد المذهب الماثور، (٣١)محاسن جميله (مشهور بحسن جميله) ، (٣٢)سوق الايمان، (٣٣)رسائل متعلق ذبيحۂ بقر، (٣٤)الاصلاح

فرائض:

(۱) كتاب الفرائض، (۲) حاشيه سراجيه، (۳) الاظهار فی توريث الاماء والاصهار

سیر:

(۱) تنوير الصحيفه، (۲) شهادت الحسين، (۳) تنشيط المحبين، (٤) رساله فى الوفاة، (٥) رساله فی المعراج، (٦) مختصر التاريخ، (٧) اصول التاريخ، (٨) الآثار الاول، (٩) تحفة الاخلاء، (١٠) جلاء الابصار، (١١) الهدية المنيفه، (١٢) الرحلة الوافيه، (١٣) الرحلة الحجازيه، (١٤) حسرة المسترشد بوصال المرشد، (١٥) عرس حضرت بانسه، (١٦) ملفوظ حضرت سيد السادات، (١٧) التعليق المختار على كتاب الآثار، (١٨) تسهيل المنهج فی اسماء رجال كتاب الحج، (١٩) مقدمه حاشيهٔ سير صغير وسير كبير

تصوف وسلوک:

(١) افضل الشمائل، (٢) سبيل الرشاد، (٣) رساله النصيحة، (٤) رساله التوبة، (٥) نظم الفرائد، (٦) محاسن يوسفی، (٧) حاشيه فصوص الحكم، (٨) رساله اذكار واشغال

ادب:

(١) حاشيهٔ حماسه، (٢) شرح قصيدهٔ برده

کلام:

(١) غاية الكلام، (٢) زبدة الفرائد، (٣) كتاب العقائد، (۴) سائنس وکلام (اس رسالہ کی چونتیس جلدیں ہیں جن میں سے صرف ایک جلد شائع ہوئی ہیں، بقیہ جلدیں مسودہ کی شکل میں ان کے صاحبزادے مولانا جمال صاحب مقیم حال پاکستان کے موجود ہیں۔

حکمت:

(۱)تحفة الاصحاب، (۲)عين الصواب، (۳)حاشية النافعة على طفرة الزاويه، (٤)رساله فى الهيئة القديمة والجديدة

منطق:

(۱)اعتصام الاذهان، (۲)شرحان لايساغوجى، (۳)تقريب الاذهان

علم نحو:

(۱)نورالصباح شرح المصباح، (۲)هدية الطلبه، (۳)شرح هداية النحو، (٤)حاشيه الفيه

علم صرف:

(۱)تحفة الاخوان، (۲)هدية الخلان، (۳)المنتخب، (٤)سلسلة الذهب، (٥)تسهيل الصرف، (٦)جامع الفوائد، (۷)ارتقاء الشرف، (۸)مقدمة الصرف، (۹)شرح هداية الصرف، (۱۰)شرح فصول اکبری:

ان تصانیف کے علاوہ مختلف کتب درسیہ پرحواشی ہیں جیسے: (۱) حاشیہ شرح سلم قاضی، (۲) حاشیہ میر زاہد رسالہ (۳) حاشیہ بر حاشیہ غلام یحیٰ، (۴) حاشیہ شرح ہدایۃ الحکمۃ، (۵) حاشیہ شمس بازغہ، (۶) حاشیہ نورالانوار، (۷) حاشیہ اصول البز ودی، (۸) حاشیہ شرح مشکوٰۃ

(۲۲) مولانا محمد عبدالباقی ابن علی محمد ابن معین ابن مولانا مبین ابن محبّ اللہ ابن احمد عبدالحق ابن مولانا سعید

ولادت: ۱۲۸٦ھ وفات: ۱۳٦۰ھ مطابق ۱۹۴۱ء

مولانا اپنے زمانہ میں فرنگی محل کے سب سے عالی سند مدرس حدیث تھے، ان کے شرفِ مرتبت کے لیے یہی کافی ہے کہ انہوں نے برس ہا برس مدینہ منورہ میں بخاری شریف کا درس دیا۔ ہزاروں باشندگان ہند وعرب وعجم ان کے سلسلہ تلمذ میں داخل ہوئے۔ سخت

تنگدستی کے باوجود دیار رسول سے آخری لمحہ تک فراق گوارہ نہیں فرمایا۔

آپ ۱۸/ رجب المرجب ۱۲۸۶ھ کو پیدا ہوئے۔ والد ماجد نے ۲ سال کی عمر میں چھوڑ کر وفات پائی اور چار سال کی عمر میں والدہ ماجدہ بھی وفات پا گئیں۔ بڑے بھائی مولوی ابراہیم صاحب کے سایہ عاطفت میں پرورش شروع ہوئی۔ حافظ جعفر علی (متوفی ۱۶/ جمادی الاولی ۱۲۹۸ھ یوم شنبہ) سے قرآن شریف حفظ کرنا شروع کیا، ۱۱/ سال کی عمر میں حفظ قرآن سے فارغ ہوئے۔ کتب درسیہ کا کچھ حصہ مولانا عبدالوہاب بن مولانا عبدالرزاق صاحب سے پڑھا اور شرح وقایہ اور رشیدیہ اور سراجیہ و شریفیہ اور قطبی مع میر و شرح تہذیب اور بعض دیگر کتابیں حضرت مولانا عبدالحیؒ سے پڑھیں۔ معقولات کا زیادہ حصہ اور کچھ کتب منقول مولانا فضل اللہ بن مولوی نعمت اللہ اور اکثر منقولات اور بقیہ معقولات مولانا محمد عین القضاةؒ سے پڑھیں۔ بیضاوی اور ہدایہ مولانا محمد نعیم سے پڑھا اور کتب حدیث حضرت مولانا عبدالرزاقؒ سے پڑھیں۔ فاتحہ الفراغ مولانا ہی سے صفر ۱۳۰۷ھ میں مولانا کی وفات سے چند یوم پیشتر پڑھا مولانا نے اجازہ تحریری بھی عنایت فرمایا۔

رجب ۱۳۰۸ھ میں سفر حج فرمایا اور علمائے حرمین سے حدیث کی سند حاصل کی۔ پھر ۱۳۱۲ھ میں سفر حج فرمایا اور آخری بار ۱۳۲۱ھ میں سفر حج فرمایا اور حج کے بعد مدینہ منورہ میں مقیم ہوگئے۔ وطن میں جب تک قیام رہا سلسلہ تدریس و تالیف جاری رہا۔ کثرت سے لوگ آپ کے سلسلہ تلمذ میں داخل ہوئے۔

مولانا عبدالباریؒ نے کتب درسیہ کا اکثر حصہ اور مولوی عنایت اللہ صاحب نے بعض کتب درسی آپ سے پڑھیں۔

تصنیف و تالیف

مولانا کی مشہور تصانیف کے نام حسب ذیل ہیں:۔

(۱) حاشیہ توضیح تلویح [ناتمام ہے]، (۲) تکملہ خیر العمل (۳) حسرۃ الفحول بوفاۃ نائب الرسول (٤) الارشاد فی الاوراد، (٥) حاشیہ نور الایضاح، (٦) التعلیق المحمود حاشیہ سنن ابی دائود [ناتمام ہے]،

(۷)زبدة الخصائل شرح عمدة الوسائل ، (۸)نور العين فی تقبيل الابهامين عند ذكر الشهادتين ، (۹) فك الوهم والشك عن صوم يوم الشك

بیعت آپ کو حضرت مولانا عبدالرزاقؒ سے حاصل تھی اور اجازتِ ارشاد بھی پیر و مرشد سے حاصل تھی۔

(۲۲) مولانا عنایت اللہ ابن شرافت اللہ ابن کرامت اللہ ابن عبدالرب محمد مشائخ ابن سعد الدین ابن ملا احمد حسین ابن مولانا محمد رضا

ولادت: ۱۳۰۶ھ وفات: ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۱ء

آپ کی ولادت ۲۳/ ربیع الاول ۱۳۰۶ھ کو ہوئی۔ قرآن شریف (ناظرہ) نواب حافظ عبدالوہاب نبیرۂ نواب ظہیر الدولہ سے پڑھا، ابتدائی کتب متفرق اساتذہ سے پڑھیں، فارسی کچھ مولانا عبدالعزیز اور کچھ مولوی نجیب اللہ سے پڑھی، خوشخطی کی مشق خواجہ حسام الدین لکھنوی اور منشی شمس الدین مشہور خوش نویس سے کی، املا مولانا عبدالباریؒ سے سیکھا، حساب، جغرافیہ اور اقلیدس اپنے بڑے بھائی مولوی ہدایت اللہ مرحوم سے سیکھا۔ صرف ونحو اور منطق کی ابتدائی کتب مولانا عبدالباقی، مولانا عبدالعزیز، مولانا عظمت اللہ اور حضرت مولانا عبدالباری سے، میبذی، رشیدیہ، نفحۃ الیمن اور ہدایہ کے کچھ ابتدائی اسباق مفتی محمد یوسف سے، شرح سلم ملا مبین اور میبذی کے بعض اسباق مولانا عبدالعزیز پنجابی شاگرد مولانا عبدالحق خیرآبادی سے پڑھے۔ اس کے علاوہ میر زاہد ملا جلال مولانا عظمت اللہ سے اور شرح وقایہ نیز قطبی مولانا عبدالعزیز فرنگی محلی سے پڑھیں۔ باقی سب کتابیں حضرت مولانا عبد الباریؒ سے پڑھیں۔ مثنوی شریف کے ۲۰ یا (۲۵) اسباق مولانا عبدالغفار نبیرۂ ملا بحرالعلوم سے پڑھے اور فصوص الحکم نیز بقیہ مثنوی شریف مولانا عبدالباریؒ سے پڑھی۔ علم طب کی تحصیل حاذق الوقت حکیم عبدالولی کشمیری سے کی اور عرصہ تک ان کے مطب میں نسخہ نویسی بھی کی۔ کتب حدیث میں بخاری، مشکوٰۃ، موطا امام محمد وشمائل سبقا سبقا مولانا عبدالباریؒ سے پڑھیں۔

مولانا عبد الباریؒ نے فرنگی میں جب مدرسہ عالیہ نظامیہ قائم فرمایا اس وقت

مولوی فارغ التحصیل ہو چکے تھے۔ اپنے استاذ (مولانا عبدالباری) کے اشارہ پر آپ نے پہلے دن سے اس مدرسہ کی مدرسی اختیار کر لی۔ اولاً نحو اور منطق کی بالکل ابتدائی کتب آپ کے ذمہ تھیں، مگر حسن کارکردگی کی بناء پر دوسرے ہی سال سے تدریجاً ترقی ملنا شروع ہو گئی اور چند ہی برسوں میں وہ متوسطات کے لئے ایک اچھے مدرس ہو گئے تھے۔

آپ ایک سال کے لئے کیننگ کالج (موجودہ لکھنؤ یونیورسٹی) میں عربی کے پروفیسر بھی رہے۔ گویا اس ایک سالہ مدت کے علاوہ آپ تاحیات مدرسہ عالیہ نظامیہ کے مخلص اور وفا شعار مدرس رہے، بلکہ اپنی زندگی کے آخری بیس برسوں میں تو مدرسہ کی زندگی اور شہرت ان کے نام سے ہی وابستہ رہ گئی تھے۔ ۱۳۳۴ھ میں، جب مولانا محمد قائم عبدالقیوم (صدر مدرس مدرسہ نظامیہ) نے اپنے عہدہ سے استعفاء دیا اور جونپور چلے گئے تو مولوی عنایت اللہ ہی مدرسہ نظامیہ کے صدر مدرس مقرر ہوئے اور آخر عمر تک اس منصب پر فائز رہے۔

تصنیف وتالیف

آپ کو بچپن ہی سے تصنیف کا شوق تھا، میلاد شریف اور ایک افسانہ اس طفلانہ دور تصنیف کی یادگار ہیں۔ علم اور سن کے ساتھ ساتھ یہ ذوق وشوق بھی ترقی کرتا رہا اور آخری دور میں وہ فرنگی محل کے اکلوتے ہمہ گیر مصنف رہ گئے تھے۔ مختلف علوم وفنون میں ان کی تصانیف کی فہرست حسب ذیل ہے:-

(۱) حدیث

(۱) 'چہل حدیث' ہے، جس میں سلطنت و امارت سے متعلق سرور کونین کی چالیس احادیث جمع کی گئی ہیں۔

(۲) اس فن میں ان کی دوسری کاوش 'تدوین حدیث' ہے جو ایک مقالہ تھا جسے آپ نے مسلم اکاڈمی لکھنؤ کی ایک نشست میں پڑھا تھا اور بعد میں وہ شائع بھی ہوا۔

(۳) 'الهداية المزجاة لقراء المشكوة' ہے، اس میں ان بزرگوں کے ضروری حالات قلمبند کئے ہیں جن کے نام بسلسلہ روایت مشکوۃ شریف میں آئے ہیں۔

(۲) فقہ

۱-زجر الأولياء عن إنكاح الصغائر فی الصبا

۲-الاقتصاد فی فسخ النكاح بالارتداد

(۳) سیر وتاریخ

۱-زحسرة الآفاق بوفاة مرجع الأخلاق (مولانا عبدالباریؒ کی سوانح حیات)

۲-تذکرہ علمائے فرنگی محل

(۴) معقولات

۱-شرح سلم العلوم

۲-هداية المنطق

۳-زبدة المنطق

٤-الفوائد المتفرقة عن الكتب المتشتتة

مولانا نے غالبًا سب سے پہلے مولانا عبد الباریؒ کے دست مبارک پر محرم ۱۳۲۱ھ میں بیعت کی۔ اور مولانا کی وفات کے وقت دیگر لوگوں کے ساتھ آپ نے بھی بیعت کی تجدید فرمائی۔ حضرت مولانا عبد الباریؒ نے جن لوگوں کو اجازت ارشاد دینا اپنے وصیت نامے میں تحریر فرمایا ہے ان میں مولوی صاحب کا نام بھی ہے۔

مولوی عنایت اللہ صاحب تدریس و تصنیف کے علاوہ سیاست ملی میں بھی سرگرمی سے شریک رہتے تھے، اور مولانا عبد الباریؒ کے بعد اکثر انجمنوں اور جماعتوں میں فرنگی محل کی نمائندگی مولوی صاحب ہی فرماتے تھے۔

مولوی صاحب ہیضہ سے بہت ڈرتے تھے لیکن افسوس کہ ۶/ جولائی ۱۹۴۱ء مطابق ۱۳۶۰ھ کو مولوی صاحب نے اسی مرض میں مبتلا ہو کر وفات پائی اور فرنگی محل کی قدیم تہذیب وروایات کی آخری شمع بھی گل ہو گئی۔

حوالہ جات وحواشی:

﴿۱﴾ ملاحظہ ہو 'بانی درس نظامی' ازمحمد رضا انصاری، ص ۶۷

﴿۲﴾ اغصان اربعہ مطبوعہ، ص ۱۳۴

﴿۳﴾ ہفت تماشا مطبوعہ نولکشور پریس، ص ۱۴۷

﴿۴﴾ رسالہ قطبیہ مخطوطہ فرنگی محل، ص ۲۱

﴿۵﴾ ملاحظہ ہو اغصان الانساب، مخطوطہ فرنگی محل، ص ۷

﴿۶﴾ اغصان الانساب، مخطوطہ فرنگی محل، ص ۵۶

﴿۷﴾ اغصان الانساب قلمی، ص ۶۵

﴿۸﴾ ہفت تماشا مطبوعہ، ۱۴۵

﴿۹﴾ ہفت تماشا مطبوعہ، ۱۴۷

﴿۱۰﴾ تذکرہ علمائے فرنگی محل مطبوعہ، ص ۱۴۰

﴿۱۱﴾ رسالہ قطبیہ مخطوطہ، ص ۳۴

﴿۱۲﴾ رسالہ قطبیہ مخطوطہ، ص ۳۵

﴿۱۳﴾ رسالہ قطبیہ مخطوطہ، ص ۳۶

﴿۱۴﴾ آمدنامہ، مخطوطہ فرنگی محل

﴿۱۵﴾ اغصان اربعہ مطبوعہ، ص ۱۴ آمدنامہ، مخطوطہ فرنگی محل

باب سوم

- خدمات
- سرگرمیاں
- عزائم

خدمات

(۱) درس وتدریس

گزشتہ صفحات کے مطالعہ سے واضح ہوجاتا ہے کہ علمائے فرنگی محل کا اصل مشغلہ درس و تدریس رہا ہے۔ تصنیف و تالیف، قضاء وافتاء، وعظ وارشاد، سلوک وتربیت اور سیاستِ ملی کے موضوعات بھی اگرچہ ان کے نصاب زندگی کے اہم عنوانات رہے ہیں، لیکن ان کا اصل امتیاز جس سے دنیا میں ان کی منفرد شناخت قائم ہوئی بلاشبہ تدریس وتعلیم کا میدان ہے۔ خانوادۂ فرنگی محل کے مؤسس ملا نظام الدین محمد کا لقب 'استاذ الہند' بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ استاذ الہند سے پہلے بھی اس خاندان میں درس و تدریس کا ذوق عام رہا ہے۔ خود استاذ الہند کے والد گرامی ملا قطب الدین شہید اپنے دور کے نامور معلم تھے اور ہندوستان کے بیشتر علماء کا سلسلہ تلمذ ان سے جڑتا ہے۔

درس و تدریس کے میدان میں علمائے فرنگی اور بالخصوص ملا نظام الدین اور ان کے والد ماجد کا انقلابی کارنامہ 'درس نظامی' کی ترتیب اور اشاعت ہے۔ دراصل ملا نظام الدین کے عہد میں اسلامیان ہند کو پہلی بار ایک منظّم اور منضبط 'نصاب درس' وضع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، چنانچہ دہلی میں شاہ ولی اللہ نے ایک 'نصاب درس' تیار کیا جس میں 'منقولات' پر زیادہ زور دیا گیا تھا۔ تقریباً اسی زمانہ میں ملا نظام الدین محمد نے ایک دوسرا 'نصاب درس' رواج دیا جس میں معقولات اور منقولات دونوں کو یکساں اہمیت دی گئی تھی۔ اس نصاب درس نے بے نظیر مقبولیت حاصل کی اور ہندوستان کے تمام علمی اور تدریسی حلقے

اسے اعتبار و استناد کا معیار سمجھنے لگے۔ علامہ سید عبدالحئیٰ حسنی 'ہندوستان کا نصاب درس اوراس کے تغیرات' میں رقم طراز ہیں:۔

'شیخ قطب الدین کی شہادت کے بعدان کے نامور فرزند علامہ نظام الدین نے علم کے دریا بہا دیے اور لکھنؤ کو علم کا مرکز بنا دیا اور جو نصاب مقرر کیا اس کو ہندوستان کی ہرایک درسگاہ میں بسروچشم قبول کیا گیا۔ اسی خاندان میں ملاحسن، بحرالعلوم، ملامبین، مفتی ظہوراللہ، مولوی ولی اللہ، مفتی محمد اصغر، مفتی محمد یوسف، مولوی نعیم اللہ، مولوی نوراللہ، مولوی عبدالحکیم، مولوی عبدالحلیم، مولوی عبدالحئیٰ، وغیرہ ایسے ایسے باکمال مدرسین پیدا ہوئے جن کا جواب کسی خاندان میں نہیں مل سکتا'۔

(۲) تصنیف وتالیف

تصنیف وتالیف کا مشغلہ علمائے فرنگی محل کی خدمات کا دوسرا اہم میدان رہا ہے۔ علمائے فرنگی محل نے بالعموم تدریسی ضروریات کے پیش نظر اس میدان میں قدم رکھا ہے۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ ان کی تصانیف 'درسیات' کے دائرہ میں محدود ہوں، ہاں یہ ضرور ہے کہ ان کا بڑا حصہ بلاشبہ کتبِ درس کے اسرار و رموز کی شرح وتوضیح پر مشتمل ہے۔ فرنگی محل میں بعض مصنفین تو ایسے ہوئے ہیں جنہیں 'خدائی معجزہ' ہی کہا جاسکتا ہے جیسے علامہ عبد الحئیٰ، ملا ولی اللہ، مولانا عبدالباری اور ان سب کے سرخیل علامہ بحرالعلوم جنہیں واقعی علم کا ایسا سمندر سمجھنا چاہئے جس کی تھاہ پالینا ناممکن ہو۔ ملا نظام الدین سے لیکر مفتی محمد عنایت اللہ تک تین سو سے زائد علماء اس خاندان میں گزرے ہیں جن میں گنتی کے چند افراد ہی ہوں گے جنھوں نے اپنی تصانیف نہ چھوڑی ہوں، چنانچہ علمائے فرنگی محل کی تصنیف کردہ کتابوں کی مجموعی تعداد ہزاروں میں ہے جن میں سیکڑوں تصانیف ایسی ہیں جو آج کے زمانہ میں بھی اپنی اہمیت اور معنویت کے اعتبار سے قابل مطالعہ واستفادہ ہیں۔

(۳) قضاء وافتاء

سرکاری منصب قضاء تو علمائے فرنگی میں سے چند افراد کے پاس ہی رہا، البتہ جب سے علمائے فرنگی محل لکھنؤ میں آباد ہوئے غیر سرکاری فتوی نویسی بالعموم انہیں کے سپرد

رہی۔ شہر اور بیرون شہر سے ان کی خدمت میں استفتے آتے تھے اور ان کے جوابات عموما سرگروہ علمائے فرنگی محل کے دستخط سے بھیجے جاتے تھے۔ فرنگی محل کے اولین عالم اور استاذ الکل ملا نظام الدین محمد کا ایک فتوی تقریبا تین سو برس گزر جانے کے باوجود آج بھی بعینہ موجود ہے، اصل سوال بھی، اور ملا صاحب کا دستخط شدہ جواب بھی، جس کی نقل درج ذیل ہے:

'سوال:- چہ می فرمایند علمائے دین درصورتے کہ زید سکنہ مملوکہ خود بہ عمر ہبہ نمود وخالد دعوی شفعہ می نماید پس دریں صورت دعوی خالد متوجہ می شود یا نہ، بینوا وتو جروا۔

جواب:-قل اللہ یفتیکم ،متوجہ نمی شود واللہ اعلم، کتبہ نظام الدین محمد تجاوز اللہ عن سیآتہ'

ملا صاحب کے شاگرد رشید اور مفتی شہر مفتی محمد یعقوب فرنگی محلی کا بھی ایک فتوی بعینہ محفوظ رہ گیا ہے، یہ بھی بلاشبہ ڈھائی سو سال پرانا، اس پر ملا محمد ولی فرنگی محلی کے بھی دستخط ہیں جن کی وفات کو اس وقت دوسوتیس برس گزر چکے ہیں، اس کی نقل بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔

'سوال:- چہ می فرمایند علمائے دین اندریں صورت کہ شخصے مسجد را بنا کردہ بود، آں مسجد از چند مدت خراب وشکست افتادہ است، دوراں جا کہ بنائے مسجد است آبادانی ہم نیست، حالا ورثہ بانی مسجد شخص دیگر را اجازت کردہ از خشت ایں مسجد افتادہ مسجد دیگر را بنا کند درانجا کہ آبادانی است، پس شخص دیگر رامی رسد کہ مسجد بجائے خود کہ آباد است بنا کند یا نہ، بینوا وتو جروا۔ جواب:-ھو المصوب، باجازت ورثہ بانی وتجویز قاضی درست است، واللہ اعلم، کتبہ محمد یعقوب غفر اللہ ذنوبہ وکفر عن سیآتہ۔

الجواب المرقوم صحیح ،کتبہ خادم الطلبۃ محمد ولی تجاوز اللہ عن سیآتہ

أصاب من أجاب واللہ أعلم بالصواب (مہر "مفتی شرع غلام حضرت")'

فرنگی محل میں مفتی محمد یعقوب کی شاخ میں درس وتدریس کے علاوہ فتوی نویسی خاص رہی ہے، ان کے بیٹے مفتی ابوالرحم کے بعد مفتی محمد اصغر (مفتی ابوالرحم کے بھتیجے)، ان کے بعد مفتی محمد یوسف ابن مفتی محمد اصغر اور مولانا امین اللہ، پھر ان کے بیٹے مولانا عبدالحلیم، پھر عبدالحلیم کے بیٹے عبدالحئ فتوے دیتے رہے۔ حکومت اودھ میں مفتی محمد یعقوب، مفتی محمد اصغر، مفتی ظہور اللہ، مفتی محمد یوسف، مفتی محمد نعمت اللہ اور ملا محمد مبین اپنے اپنے زمانہ میں مفتی

عدالت رہے۔فرنگی محل میں فتوی نویسی کا سلسلہ آج بھی قائم ہے،اور' اسلامک سنٹر آف انڈیا ،فرنگی محل' کے زیر اہتمام مولانا ابو الطیب احمد میاں کی نگرانی میں مؤقر علماء کا ایک پینل قضاء وافتاء نویسی کی خدمات انجام دے رہا ہے۔

(۴) سیاسی وملی خدمات

فرنگی محل کے علمائے کرام گو معروف معنوں میں سیاسی میلان نہیں رکھتے تھے،اور علم وادب کی خدمت ان کی زندگیوں کا اوڑھنا بچھونا تھی ،لیکن اکثر ایسے مواقع آئے کہ اپنی منفرد اور ممتاز علمی وسماجی حیثیت کی وجہ سے انہیں ملی ، سیاسی اور سماجی مسائل میں شرکت ہی نہیں ، رہبری اور پیشوائی کی ذمہ داری بھی نبھانی پڑی۔ چنانچہ اسی قسم کے حالات میں ملا عبد العلی بحر العلوم ، ملا حسن اور ملک العلماء ملا حیدر کو لکھنؤ چھوڑنا پڑا تھا۔اسی طرح لکھنؤ میں جب شیعہ وسنی فرقوں کے درمیان ۱۹۰۴ء کے پیدا شدہ اختلافات کے خاتمے کے لیے پگٹ کمیشن (Piggatt Commission) قائم ہوا،جس میں ہندوؤں،عیسائیوں ، سنیوں اور شیعوں کی طرف سے دو دو ممبر نامزد کیے گئے تھے،تو سنی ممبر کی حیثیت سے مولانا عبد المجید فرنگی محلی اور منشی احتشام علی کاکوروی شامل تھے۔

تحریک خلافت

آج کل کے معروف معنوں میں علمائے فرنگی محل نے پہلی عالمی جنگ کے بعد سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کیا جب اتحادیوں نے ترکی حکومت کے حصے بخرے کر دیے تھے۔اس سلسلہ میں مولانا عبد الباری فرنگی محلیؒ کی سربراہی میں مسلمانان ہند نے تحریک خلافت شروع کی تھی ،جس نے عام اہل اسلام کے دلوں میں انگریزوں کے خلاف زبردست منافرت پیدا کر دی اور انہیں یقین دلا دیا کہ عالمِ عیسائیت اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے درپے ہے، علامہ شبلی نعمانیؒ نے اپنی ایک نظم میں اس زمانہ میں مسلمانوں کے جذبات واحساسات کی بڑی سچی ترجمانی کی ہے،وہ فرماتے ہیں:۔

حکومت پر زوال آیا تو پھر نام ونشاں کب تک چراغ کشتہ محفل سے اٹھے گا دھواں کب تک

قبائے سلطنت کے گر فلک نے کر دیے ٹکڑے　فضائے آسمانی میں اڑیں گی دھجیاں کب تک
کوئی پوچھے کہ اے تہذیب انسانی کے استادو!　یہ ظلم آرائیاں تا کے یہ حشر انگیزیاں کب تک
کہاں تک لوگے ہم انتقام فتح ایوبی　دکھاؤ گے ہمیں جنگ صلیبی کا سماں کب تک

بعد میں گاندھی جی کی سربراہی میں ہندو لیڈر بھی تحریک خلافت کی حمایت میں مسلمانوں کے دوش بدوش آگئے، جس سے اس ہندو مسلم اتحاد کی بنیاد پڑی جس نے انگریزوں کو ہندوستان سے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ دراصل تحریک خلافت کے بطن سے ہی تحریک آزادی وطن کا جنم ہوا، تحریک خلافت تو ایک مخصوص مدت کے بعد ختم ہوگئی، لیکن پورے ہندوستان کو تحریک آزادیِ وطن سے ہمکنار کرگئی۔

جمعیۃ علمائے ہند

نبی رحمتؐ نے 'اختلاف أمتي رحمة' کا نعرہ دیا تھا۔ اور بلاشبہ علمی اوراجتہادی مسائل میں اختلاف کی برکتوں سے انکار ممکن نہیں ہے، لیکن یہ اختلاف جب رسہ کشی اور نزاع آفرینی میں بدل جائے تو اس کا وبال کسی بھی قوم کو تہس نہس کرسکتا ہے۔ بیسویں صدی کے ہندوستان میں مسلمانوں کا حال کم وبیش یہی تھا، چنانچہ انتشار اور تفرقہ اندازیاں امت کی اجتماعی حیثیت کو زبردست نقصان پہنچا رہی تھیں اور ملکی معاملات میں ان مسلمانوں کا وزن لگاتار گھٹ رہا تھا۔ اس صورتحال میں اصلاح کے لئے مولانا عبد الباریؒ نے نومبر ۱۹۱۹ء میں تمام مسالک اور مکاتب فکر کے علماء کو دہلی کی ایک مشہور درسگاہ 'سید حسین رسول نما' میں جمع کیا، انہیں وقت اور حالات کی نزاکت کے پیش نظر اتحاد واتفاق کی اہمیت بتائی اور ان سب نے آپس میں حسب ذیل عہد کیا:

'ہم سب دہلی کے مشہور ومقدس بزرگ کے مزار کے سامنے اللہ کو حاضر وناظر جان کر یہ عہد کرتے ہیں کہ مشترک قومی وملی مسائل میں، ہم سب آپس میں متحد ومتفق رہیں گے اور فروعی واختلافی مسائل کی وجہ سے اپنے درمیان کوئی اختلاف پیدا نہیں کریں گے، نیز قومی وملکی جدوجہد کے سلسلہ میں گورنمنٹ کی طرف سے جو سختی اور تشدد ہوگا اس کو صبر ورضا کے ساتھ برداشت کریں گے اور ثابت قدم رہیں گے، جماعت کے معاملہ میں پوری پوری رازداری اور

امانت داری سے کام لیں گے۔ (ملاحظہ ہو: تحریک خلافت از قاضی عدیل عباسی، ص۳۹)'

مذکورہ اجلاس کا حال بیان کرتے ہوئے مولانا حفیظ الرحمٰن واصف 'تاریخ جمعیۃ علماء پر ایک تاریخی تبصرہ' میں صفحہ ۴۴ پر تحریر فرماتے ہیں:-

'نومبر ۱۹۱۹ء میں خلافت کانفرنس کی تقریب تمام اقطاع ہند کے علماء کی ایک مقتدر جماعت جمع ہوگئی، خلافت کانفرنس کے اجلاس سے فراغت کے بعد تمام علماء موجودین نے ایک جلسہ منعقد کیا جس میں صرف حضرات علماء ہی شریک تھے۔ مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ صاحب کی تحریک اور مولانا منیر الزماں صاحب اور دیگر حاضرین کی تائید میں جناب فاضل علامہ حضرت مولانا عبد الباری صاحب اس جلسہ کے صدر قرار پائے اور کارروائی شروع ہوئی۔ تمام حاضرین جلسہ نے بالاتفاق طے کرلیا کہ علماء کی ایک جمعیۃ قائم کی جائے اور اس کا نام 'جمعیۃ علماء ہند' رکھا جائے اور اس کے حلقہ کو تمام ہندوستان کے لئے وسیع کردیا جائے۔ چنانچہ تمام حاضرین نے اسی وقت جمعیۃ کی رکنیت منظور کرلی اور 'جمعیۃ علماء ہند' قائم ہوگئی'۔

مولانا عبد الباری صاحب کے زمانہ میں 'فرنگی محل' ملی اور سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بنا رہا۔ 'تحریک خلافت' اور 'جمعیۃ علماء ہند' کے علاوہ مولانا نے حرمین شریفین کے مقامات مقدسہ کی حفاظت کے لئے 'تحریک خدام کعبہ' کی بنیاد ڈالی۔ اس سلسلہ میں پروفیسر ولی الحق انصاری ماہنامہ نیا دور، فروری و مارچ ۱۹۹۴ء (اودھ نمبر) میں صفحہ نمبر (۵۱) پر لکھتے ہیں:

'اس عہد میں فرنگی محل ہندوستانی سیاست کا مرکز بنا ہوا تھا۔ مہاتما گاندھی، پنڈت نہرو، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا حسرت موہانی کے سیاسی حالات میں مشورے فرنگی محل ہی میں ہوا کرتے تھے اور آج تک فرنگی محل میں وہ کمرہ محفوظ ہے جہاں گاندھی جی قیام پذیر ہوتے تھے۔ تحریک ترک موالات شروع ہونے پر دیگر زعماء قوم کے ساتھ علماء فرنگی محل نے بھی اس میں عملی حصہ اور ۹/ دسمبر ۱۹۲۱ء کو پنڈت نہرو اور چودھری خلیق الزماں کے ساتھ مولانا شرافت اللہ فرنگی محلی نے بھی قید و بند کے مصائب برداشت کئے اور مولانا کے صاحبزادے مولانا محمد شفیع حجت اللہ، جو کلکتہ میں خلافت کمیٹی کے صدر تھے، نومبر ۱۹۲۲ء میں گرفتار کر لئے

گئے اور ایک سال تک پیرام پور جیل مرشد آباد میں قید رہے۔ان کے علاوہ بہت سے حضرات نے انگریزوں کے تحت ملازمت کرنا یا انگریزی تعلیم حاصل کرنا ترک کر دیا۔

(۵) عیدگاہ عیش باغ کی امامت وتولیت

عیش باغ میں واقع عیدگاہ اتر پردیش کی سب سے بڑی اور مرکزی عیدگاہ ہے۔ اس عیدگاہ کو مسلمانان ہند کی مذہبی، علمی، تعلیمی اور ثقافتی ضروریات کی تکمیل کے لئے، خاندان فرنگی محل کے نامور چشم وچراغ مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی نے قائم کیا تھا۔انہوں نے اپنی زندگی میں اپنے صاحبزادے شمس العلماء مولانا عبدالمجید فرنگی محلیؒ کو عیدگاہ کا امام اور متولی بنادیا تھا۔مولانا عبدالمجید نے بھی اپنی زندگی میں ہی اپنے صاحبزادے مولانا عبدالرشید فرنگی محلی کو عیدگاہ کا امام اور متولی بنایا تھا۔مولانا عبدالرشید نے حسب دستور کتب متداولہ کی تحصیل اپنے والد اور اپنے چچا سے کی تھی اور سرکاری امتحانات بھی دیے تھے۔تحصیل علم سے فراغت کے بعد آپ حسین آباد گورنمنٹ ہائی اسکول میں عربی کے مدرس ہو گئے تھے۔ریٹائرمنٹ سے پہلے آپ کا ٹرانسفر بستی میں ہو گیا تھا اور وہیں سے آپ ریٹائر ہوئے۔ ۹/شعبان ۱۳۶۵ھ مطابق ۹/ جولائی ۱۹۴۶ء کو وفات پائی اور دو بیٹے نیز آٹھ بیٹیاں یادگار چھوڑیں۔ مولانا عبدالرشید صاحب کے بعد ان کے بڑے بیٹے مولانا ابوالقاسم محمد میاں نے کچھ دنوں تک عیدگاہ کی امامت وتولیت کی ذمہ داری اٹھائی لیکن ان کی ہجرت (بنگلہ دیش، پھر پاکستان) کے بعد مولانا عبدالرشید صاحب کے دوسرے صاحبزادے حضرت مولانا ابوالطیب احمد میاں نے یہ ذمہ داری قبول کی جسے وہ اب تک اپنی پیرانہ سالی کے باوجود خدا کے فضل وکرم سے بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔

مولانا ابوالقاسم میاں محمد فرنگی محلی

مولانا ابوالقاسم محمد میاں فرنگی محلی نے درس نظامی کی تکمیل کے بعد انگریزی تعلیم حاصل کی۔علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے فلسفہ میں ایم۔اے۔کیا۔اس کے بعد بسلسلہ روزگار ڈھاکہ چلے گئے۔بنگلہ دیش بننے کے بعد پاکستان گئے اور کراچی یونیورسٹی میں پروفیسر مقرر ہو گئے۔ریٹائرمنٹ کے بعد بھی 'المرکز الاسلامی' میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔

مولانا ابوالطیب احمد میاں فرنگی محلی

مولانا ابوالطیب احمد میاں کی ولادت ۲۸/ دسمبر ۱۹۲۹ء کو ہوئی۔ 'درس نظامی' کی تکمیل کے بعد آپ نے لکھنؤ سے بی ایس سی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم۔ اے۔ کیا، ۱۹۴۷ء میں آپ عید گاہ کے امام اور متولی مقرر ہوئے اور ماشاء اللہ ابتک اس ذمہ داری کو انجام دے رہے ہیں۔ آپ کی تولیت میں عیدگاہ میں زبردست توسیع اور ترقی ہوئی ہے اور آپ نے اس عیدگاہ کو زمانے کی دست برد سے محفوظ رکھنے کی ہر ممکن سعی کی۔ کئی بار اس کی آراضی پر قبضے کی کوششیں کی گئیں، اس کے علاوہ گزشتہ ایک صدی کے دوران مسلمانان ہند طرح طرح کے مصائب اور آزمائشوں سے دوچار ہوئے، لیکن مولانا اور ان کے رفقاء کی مخلصانہ جدوجہد اور عام مسلمانان لکھنؤ کی والہانہ وابستگی کے نتیجہ میں یہ عیدگاہ خدا کے فضل سے محفوظ رہی۔

مولانا طارق رشید نظام الدین محمد فرنگی محلی

آپ مولانا احمد میاں کے بڑے بیٹے ہیں۔ ۱۹۶۸ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ابتدائی دینی تعلیم گھر میں حاصل کی، انگلش میڈیم اسکول سے تعلیم حاصل کی اسی دوران حفظ قرآن بھی کیا۔ اور پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء سے اپنے علوم کی تکمیل کی، نیز لکھنؤ یونیورسٹی سے انگریزی زبان وادب میں ایم اے کیا۔ ۱۹۸۷ء میں آپ کو عیدگاہ کا نائب امام مقرر کیا گیا، لیکن جلد ہی آپ اعلی تعلیم کے حصول کے لئے امریکہ چلے گئے جہاں آپ نے حصول تعلیم کے ساتھ ساتھ دعوتی سرگرمیاں بھی جاری رکھیں اور 'اسلامک سوسائٹی آف گریٹر آرلینڈو (امریکہ)' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ آج کل آپ امریکہ ہی میں مقیم ہیں اور مذکورہ ادارہ کے توسط سے امریکہ اور یورپ میں اسلام کی ترجمانی اور اشاعت کے کاموں میں مصروف ہیں۔ آپ تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی سرگرم ہیں۔ اب تک یہ کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں جن کے نام حسب ذیل ہیں:

Back Bitting: An Islamic Perspective (۱)



(۲) فخر المتاخرین علامہ ابوالحسنات محمد عبد الحی فرنگی محلی، حیات اور علمی خدمات-مختصر جائزہ

(۳) اعلام فرنگی محل بما فی نزہۃ الخواطر

مؤلف کتاب-ایک تعارف

راقم مولانا احمد میاں کا دوسرا بیٹا ہے۔ ۲۵/ دسمبر ۱۹۷۰ء کو پیدائش ہوئی۔ ابتدائی دینی تعلیم اپنے گھر میں اور انگریزی تعلیم انگلش میڈیم اسکول میں ہوئی۔ گریجویشن کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء سے دینی علوم کی تکمیل کی اس کے بعد لکھنؤ یونیورسٹی سے عربی زبان وادب میں ایم اے کیا اور پھر عملی زندگی شروع ہوئی۔ والد محترم نے ۱۹۹۰ء میں عیدگاہ کا نائب امام مقرر فرمایا۔ ۲۰۰۰ء میں عیدگاہ کا امام اور متولی نامزد کیا۔

راقم نے خاندان فرنگی محل کی عظمتِ رفتہ کی بازیابی اور مسلمانوں کی مختلف دینی، تعلیمی اور سماجی ضروریات کی تکمیل کے پیش نظر ۲۰۰۱ء میں حضرت والد ماجد کی سرپرستی اور برادر محترم کی نگرانی میں اسلامک سنٹر آف انڈیا کی تشکیل کی۔

سنٹر کا مختصر تعارف اور اس کے اغراض ومقاصد ذیل میں درج ہیں:

موجودہ سرگرمیاں

سنٹر کے اغراض ومقاصد

☆ دنیا کے تمام انسانوں تک ان کے خالق (پیدا کرنے والے) اور رب (پالنے والے) کی بات پہنچانا۔

☆ اللہ رب العزت کی آخری کتاب قرآن مقدس کی تعلیمات اور ہدایات کو عام کرنا۔

☆ رحمۃ للعالمینؐ کے پیام رحمت کی کثرت سے اشاعت کرنا۔

☆ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک اور آپؐ کے چہیتے صحابہ کرامؓ کے سوانح سے تمام انسانوں کو روشناس کرنا۔

☆ اسلامیان عالم کے ذہنوں میں یہ نقش راسخ کرنا کہ ان کا ملّی، تہذیبی، ثقافتی

اور نظریاتی وجود مذہب اسلام ہی سے وابستہ ہے۔

☆ نسلِ نو اور نوجوانانِ اسلام کو انکے شاندار ماضی سے واقف کرانا اور ان کو یہ باور کرانا کہ اسلام سے کامل وابستگی ہی ان کے تابناک مستقبل کی ضامن ہے۔

☆ عصر حاضر میں اسلام کے سلسلے میں دشمنوں کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا۔

☆ اولیائے کرام، صلحائے امت اور دیگر اسلامی شخصیات کے سوانح اور ان کے کارناموں سے ناواقفوں کو واقف کرانا۔

ان اعلیٰ وارفع مقاصد کی تکمیل کے لیے اس سنٹر میں مندرجہ ذیل شعبے قائم ہیں:

○ شعبہ دعوت وتبلیغ:

اس شعبے کے تحت دارالعلوم فرنگی محل میں ہر سال یکم محرم سے ۱۰ رمحرم الحرام تک 'شہدائے دین حق واصلاح معاشرہ' کے عنوان سے ہر روز جلسے منعقد ہوتے ہیں۔ اسی طرح یکم ربیع الاول سے ۱۲/ ربیع الاول تک مدرسہ نظامیہ متصل عیدگاہ میں روزآنہ 'سیرت رحمۃ للعالمینؐ اور سیرت صحابہ کرامؓ' کے عنوان سے جلسے ہوتے ہیں اور یکم ربیع الاول کی شب میں ایک اہم سمینار بعنوان 'پیام محسن انسانیتؐ' ہوتا ہے جس میں تمام مذاہب کے رہنماؤں کو بحیثیت مقرر مدعو کیا جاتا ہے۔ وہ بتمام شوق اس سمینار میں شرکت کرتے ہیں، انہیں سیرت کے موضوع پر لکھی ہوئی کتابیں بطور تحفہ دی جاتی ہیں۔ اسی طرح ۱۲/ ربیع الاول کو بہت بڑے پیمانے پر جلسہ سیرت النبیؐ وسیرت اصحاب کرامؓ منعقد ہوتا ہے۔

اس شعبے کے تحت حجاج کرام کی سہولت کے لیے ہر سال سہ روزہ 'حج تربیتی کیمپ' لگایا جاتا ہے جس میں انہیں حج کے مسائل سے متعلق زبانی اور عملی ہدایتیں دی جاتی ہیں۔ الحمدللہ حجاج کرام بڑی تعداد میں اس کیمپ میں شریک ہوتے ہیں اور اس اہم فریضے کی بخوبی انجام دہی کے لیے ضروری معلومات اور ہدایات سے مستفیض ہوتے ہیں۔

شہر لکھنؤ اور بیرون لکھنؤ مختلف مقامات پر سیرت پاکؐ وسیرت صحابہ کرامؓ اور

اصلاح معاشرہ کے عنوان سے منعقد ہونے والے جلسوں میں سنٹر سے مربوط علمائے کرام اور واعظین حضرات بحیثیت مقرر شرکت کرتے ہیں۔ سال بھر میں ایسے جلسوں کی تعداد تقریباً پچاس ہوتی ہے۔

○ شعبۂ امور مساجد:

ائمہ مساجد کی تعلیم وتربیت اور مساجد کے دیگر امور کی نگرانی کے لیے یہ شعبہ قائم ہے۔

○ شعبۂ تعلیم وتربیت:

اس شعبے کے تحت استاذ الہند بانی درس نظامی علامہ نظام الدین محمد فرنگی محلیؒ بانی درس نظامی کی یاد میں دارالعلوم فرنگی محل قائم کیا گیا ہے۔ دارالعلوم کے تحت لڑکیوں کی عربی تعلیم کے لیے مدرسہ نظامیہ للبنات اور لڑکوں کے حفظ قرآن اور دینی تعلیم کے لیے مدرسہ نظامیہ بحمد اللہ کئی برسوں سے تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اسی شعبے کے تحت عصری تعلیمی اداروں میں پڑھنے والی مسلمان لڑکیوں کو بنیادی دینی تعلیم سے واقف کرانے کے لیے ایک سالہ ڈپلوما کورس شروع کیا گیا ہے۔

اس شعبے کے تحت عصری تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرنے والے مسلم لڑکوں کے لیے موسم گرما کی تعطیلات میں ان کو بنیادی اور ضروری دینی تعلیم اور اسلامی ثقافت سے واقف کرانے کے لیے ''سمر اسلامک کیمپ'' کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ جس میں یہ طلبہ بڑے ذوق وشوق سے شریک ہوتے ہیں۔ کیمپ کے اختتام پر شرکاء کو سرٹیفکٹ دیے جاتے ہیں۔

○ دارالافتاء:

مسلمانوں کی فقہی رہنمائی کے لیے اور ان کو پیش آنے والے مسائل کے حل کے لیے دارالافتاء قائم ہے۔ رمضان المبارک میں روزہ داروں کو عموماً جو مسائل پیش آتے رہتے ہیں ان کے حل کے لئے دارالافتاء میں 'رمضان ہیلپ لائن' شروع کی گئی ہے۔ یہ ملک میں اپنی نوعیت کی اولین اور منفرد خدمت ہے۔ اس سے استفادہ کرنے والا سائل سنٹر کے فون پر اپنا مسئلہ بتاتا ہے اور تشفی بخش جواب پاتا ہے۔

○ دارالقضاء:

مسلمانوں کے باہمی نزاعات جیسے نکاح، طلاق، فسخ، خلع اور دیگر خصومات کو اسلامی شریعت کی روشنی میں حل کرنے کے لیے دارالقضاء کا قیام عمل میں آیا ہے۔ یہاں کسی مسلک کی تفریق کے بغیر مسلمانوں کی بڑی تعداد آتی ہے۔

○ **علامہ عبدالحی فرنگی محلیؒ فقہ اکیڈمی:**

فخر المتأخرین علامہ ابوالحسنات محمد عبدالحی فرنگی محلیؒ کی یاد میں یہ اکیڈمی قائم کی گئی ہے۔ تاکہ علمائے فرنگی محل کے فقہی ورثے اور علمی سرمایے کو از سر نو ترتیب و تبویب کے ساتھ شایع کیا جائے۔

اس شعبہ کی جانب سے فخر المتاخرین علامہ عبدالحی فرنگی محلی کے شہرہ آفاق عربی فتوؤں کا اردو ترجمہ 'مجموعۃ الفتاویٰ' شائع ہو چکا ہے۔

○ **شعبۂ نکاح:**

مسلمانوں کے نکاح کی سہولت کے لیے یہ شعبہ قائم ہے۔ اس شعبے کی جانب سے ایک نکاح نامہ شایع کیا گیا ہے جس کا انگریزی ترجمہ بھی اسکے ساتھ چھپا ہوا ہے۔ ان نکاح ناموں کا ریکارڈ سنٹر میں رکھا جاتا ہے۔

○ **شمس العلماء مولانا عبدالمجید فرنگی محلی کتب خانہ:**

کسی بھی مہذب اور تعلیم یافتہ سوسائٹی میں کتب خانوں کی جو اہمیت و افادیت ہوتی ہے اس سے اہل نظر بخوبی واقف ہیں۔ سنٹر نے معیاری اور بہترین کتابوں کی بہ سہولت فراہمی اور مطالعے کے شوقین افراد کی تسکین کے لیے یہ کتب خانہ قائم کیا ہے۔

○ **شعبۂ تحقیقات و نشریات:**

علمائے فرنگی محل کے علمی ورثے کی تحقیق و اشاعت اور ان کی مذہبی و اصلاحی خدمات کے تعارف کے لیے یہ شعبہ کام کر رہا ہے۔ اس شعبے کی جانب سے فخر خاندان فرنگی محل مولانا قیام الدین محمد عبدالباری فرنگی محلیؒ کی حیات و خدمات پر مشتمل ایک کتابچہ شایع کیا گیا ہے۔ اور درس نظامی میں داخل عربی نحو کی مشہور کتاب ہدایۃ النحو (عربی) کو اردو قالب میں جدید طرز کے مطابق شایع کیا گیا ہے۔

○ شعبۂ امداد وطبی خدمات:

انگریزی ماہ کی ہر پہلی اتوار کو اس شعبہ کے تحت طبی کیمپ لگتا ہے۔ جس میں آنکھ کے مریضوں کا مفت علاج کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ انسداد پولیو کی مہم میں بھی اس شعبہ کی جانب سے کیمپ لگتے ہیں۔ ان طبی کیمپوں سے بلا تفریق مذہب وملت بندگان خدا کی بڑی تعداد مستفید ہوتی ہے۔

○ ماہنامہ 'النظامیہ':

'النظامیہ' لکھنؤ سے شایع ہونے والا کوئی نیا رسالہ نہیں ہے۔ آج سے تقریباً سو سال قبل یہ رسالہ فرنگی محل سے شایع ہوتا تھا۔ اس رسالے میں اُس وقت کے صاحب علم وصاحب قلم افراد کے مفید مذہبی مضامین شایع ہوتے تھے۔ آج سے سو سال قبل یہ رسالہ کئی حیثیتوں سے منفرد اور ممتاز تھا، اسی لیے یہ رسالہ نہایت مقبول ہوا، اس کی پرانی فائلیں آج بھی ہندوستان کے مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔

تحریک خلافت کے دوران اس رسالہ نے نام ور مسلم قائدین کے ولولہ انگیز مضامین شایع کیے جس کا عوام پر خاطر خواہ اثر ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انگریز حکومت نے اس رسالے کو بند کر دیا۔ جس وقت اس پر پابندی عاید ہوئی اس کے مدیر مولانا صبغت اللہ شہید فرنگی محلی (متوفی ۱۹۶۴ء) تھے۔ ایک عرصے سے اس بات کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ اس رسالے کو پھر سے شایع کیا جائے۔ نہایت خوشی کی بات ہے کہ تقریباً پون صدی کا وقفہ گزر جانے کے بعد یہ رسالہ پھر سے بحمد للہ شایع ہورہا ہے۔

○ میڈیا سیل:

عصر حاضر میں ذرائع ابلاغ کی اہمیت کے مدنظر جدید وسائل کے ذریعے اسلام کی دعوت وتبلیغ اور اسکی حقانیت کے اثبات کے لیے یہ سیل مصروف عمل ہے۔ سنٹر کے جنرل سکریٹری مولانا خالد رشید نظام الدین محمد فرنگی محلی نائب امام عیدگاہ، لکھنؤ کے متعدد مضامین انگریزی، ہندی اور اردو اخبارات وجرائد میں مختلف اسلامی موضوعات پر شایع ہو چکے ہیں۔ نیز مولانا موصوف مستقل نیوز چینلوں پر اسلامی نقطہ نظر واضح کرتے رہتے ہیں۔

○ **شعبۂ نشر واشاعت:**

اس شعبے کے تحت سنٹر کی کارکردگی اور سرگرمیوں سے عوام الناس واقف کرایا جاتا ہے۔
الحمدللہ سنٹر میں گزشتہ برسوں میں مذہبی، علمی اور سماجی عنوانات پر کئی مؤقر سیمینار منعقد ہو چکے ہیں۔

مستقبل کے عزائم

○ دارالعلوم نظامیہ فرنگی محل کی توسیع

○ علامہ ابوالحسنات عبدالحی کی تصانیف کی اشاعت

○ درس نظامی میں شامل کتابوں کی تحقیق، ترتیب جدید اور اشاعت

○ عصری تعلیم کے ایسے اسکول قائم کرنا جن میں ناگزیر دینی تعلیم وتربیت کا نظم ہو

''درس نظامی ہندوستان کی علمی تاریخ اور علمی زبان کا سب سے نمایاں لفظ ہے''۔ (علامہ شبلی نعمانیؒ)
''ہندوستان کا سب سے بڑا ادارالعلوم لکھنؤ کا فرنگی محل تھا جو درس نظامی کا بانی ہے''۔ (سید سلیمان ندویؒ)
مؤرخ ہند حضرت مولانا عبدالحی الحسنیؒ نزھۃ الخواطر میں تحریر فرماتے ہیں :

''مولانا عبدالحی فرنگی محلی بلا کے ذہین تھے۔ پاکباز اور نرم دل اور زبردست خطیب تھے۔ علوم عقلیہ ونقلیہ میں تبحر علمی حاصل تھا فقہ کے پیچیدہ اور مشکل مسائل سے بخوبی واقف تھے۔ تبحر علمی کے ساتھ ساتھ احکام کے نقل کرنے میں بھی مہارت تامہ تھی آپ نے بکثرت مسائل تحریر فرمائے۔ فن فتویٰ میں آپ کی نظیر پورے ہندوستان بھر میں نہیں تھی۔ ہر کونے سے لوگ آپ سے فتوے دریافت کرنے آتے تھے۔ ہر مکتب فکر کے علماء آپ کی علمی جلالت کے معترف تھے۔ آپ عجائب الزمن اور محاسن ہند تھے۔ آپ کی تعریف ہر شخص کرتا تھا اور آپ کے فضل وکمال کا ہر شخص معترف تھا۔''

مکہ مکرمہ میں حدیث وفقہ کے عالم شیخ محمد بن عبداللہ حنبلی فرماتے ہیں :
''میں نے ان میں (مولانا عبدالحی) میں وہ اوصاف عالیہ دیکھے جن سے آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں اور ان کا احادیث نبوی کا استحضار اور فقہی نصوص کا فہم وادراک اور مختلف علوم وفنون میں ان کی زبردست تحقیق اور تدقیق کو دیکھ کے دل مسرت سے لبریز ہوگیا''۔

نواب صدیق حسن خاں کے صاحبزادے جناب علی حسن فرماتے ہیں کہ جب میرے والد ماجد کو حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ کی وفات کی خبر پہنچی تو آپ شدت غم سے دونوں ہاتھ سر پر رکھ کر سر کو جھکا کر دیر تک بیٹھے رہے، جب سر اٹھایا تو دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ آپ دیر تک مولانا عبدالحی مرحوم کے لئے دعائے مغفرت فرماتے رہے اور فرمایا آج علم کا آفتاب غروب ہوگیا۔

علامہ یوسف بنوریؒ لکھتے ہیں :
وہ علماء ربانیین جو علوم روایہ اور علوم درایۃ، معقول اور منقول کے جامع تھے اور ساتھ ساتھ تقوی، پرہیزگاری، انابت اور اخلاق فاضلہ سے متصف تھے، ان میں حضرت مولانا ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنویؒ تھے۔

علامہ عبدالحی الکتانی لکھتے ہیں : مولانا عبدالحی ہندوستان میں علماء کے خاتم اور ہندوستان میں سب سے زیادہ لکھنے والے تھے، تحریر میں وسعت علم کے ساتھ ساتھ انصاف اور میانہ روی رکھتے تھے۔ عالی قسمت تھے۔ تھکاوٹ سے ناآشنا تھے۔ کثرت سے مطالعہ کرتے تھے لیکن تھکتے نہ تھے۔ نہایت ذہین اور زبردست فہم کے مالک تھے۔ آگے لکھتے ہیں۔ میں دُعا گو ہوں کہ اللہ مجھ کو ان کا صحیح جانشین بنائے اور یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ بعض چیزیں مجھ میں اور ان میں مماثلت رکھتی ہیں۔

علامہ زاہد کوثر مصریؒ لکھتے ہیں : مولانا عبدالحی لکھنوی اپنے زمانے میں احادیث احکام کے سب سے بڑے عالم تھے۔
حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں : مولانا عبدالحی لکھنوی علامۃ الہند اور فخر المتاخرین تھے۔
علامہ خیرالدین زرکلی لکھتے ہیں : مولانا عبدالحی حدیث اور تراجم کے عالم، اونچے دَرجہ کے حنفی فقہاء میں تھے۔
التعلیقات الحافلۃ میں شیخ عبدالفتاح ابوغدہ لکھتے ہیں کہ فخر المتاخرین بڑے پایہ کے محقق اور مصنف، محدث، فقیہ، اصولی، منطقی، متکلم، مؤرخ، مناظر اور نقاد تھے۔

مکہ مکرمہ میں مولانا عبدالحی کو حدیث کی اجازت علامہ احمد بن زیلعی نے دی، تو یہ الفاظ لکھے : نوجوان نجیب، ذہین، ادیب۔
مولانا عبدالغنی صاحبؒ نے یہ اوصاف لکھے : فاضل ممتاز اور ذہین۔
علامہ نذیر حسین محدث دہلویؒ نے ایک بڑے مجمع میں مولانا عبدالحی لکھنوی کو مخاطب کر کے فرمایا : آپ اس دور میں بے نظیر ہیں اور اس زمانہ میں یکتائے روزگار ہیں۔ اس صدی میں آپ نے وہ کام کیے ہیں جو کسی اور سے نہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی زندگی اور کاموں میں بر
ایک ہم عصر مصری عالم علامہ محقق شیخ ابراہیم بن السمنودی مولانا کو یوں یاد فرماتے ہیں : مولانا عبدالحی لکھنوی میر
دور کے ہندوستان میں فاضل ترین عالم تھے۔ آپ علامۃ الزماں، شمس العرفاں، صالح کامل، عبقری اور فاضل تھے۔
علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں : فرنگی محل میں علم حدیث کی معراج کمال مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ع
مرحوم نے گو عمر کم پائی...... مگر اسی مختصر زمانہ میں مرحوم کے درس وتدریس تالیف وتصنیف اور تحقیق وتدقیق کے آوازہ سے نہ صر
تمام دنیائے اسلام گونج اٹھی۔ اطراف ودیار سے علم کے طالب آپ کے آستانہ پر جمع ہوئے، معقول ومنقول کا یہ مجمع البحرین ز
تک موجیں مارتا رہا۔ دوسرے علوم وفنون کے ساتھ تمام کتب حدیث کا درس بکمال تحقیق آپ کی درسگاہ میں ہوتا تھا۔